

مجلس

حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

یادداشتوں کے آئینے میں

سید جمیل احمد رضوی
سابق چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی

مجالس حکیم محمد موسیٰ امرتسری

(یادداشتوں کے آئینے میں)

تحریر و ترتیب

سید جمیل احمد رِضوی

سابق چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لائبریری

دار الفیض گنج بخش

لاہور

۲۰۰۳ء

بیاد : امام الاولیاء، سلطان الاصفیاء، حضرت شیخ سید علی ہجویری
معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہ العزیز

کتاب: مجالس حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ
(یادداشتوں کے آئینے میں)

تحریر و ترتیب: سید جمیل احمد رضوی

ناشر: دار الفیض گنج بخش، لاہور

ناظم اشاعت: محمد ریاض ہمایوں سعیدی

تعداد: 1100

محرک: حکیم محمد سلیم مرتضائی۔ فیصل آباد

اہتمام: میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی قادری ضیائی

سن اشاعت: اکتوبر 2003ء، شعبان المعظم ۱۴۲۴ھ

حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے چوتھے سالانہ عرس مبارک کے موقع پر تقسیم کی جارہی ہے۔

ملنے کے پتے

دار الفیض گنج بخش

۵۵۔ حکیم محمد موسیٰ روڈ (ریلوے روڈ، گوالمنڈی) حضرت لاہور

فون: 92-042-7671389

☆ حکیم محمد سلیم مرتضائی، مرتضائی دواخانہ، بالمقابل جامع مسجد اسلامیہ کالج، سرگودھا روڈ۔ فیصل آباد۔ فون: 041-763014

انتساب

صاحبزادہ میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی قادری ضیائی اور میاں محمد ریاض ہمایوں سعیدی کے نام جنہوں نے مطب موسوی کی درخشندہ روایات کو قائم رکھا ہے۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک نمایاں مشن کتابوں کے ذریعے علم کی ترویج و اشاعت بھی تھا۔ انہوں نے اس مستحسن کام کو بطرز احسن جاری رکھا ہوا ہے۔ ان کی یہ کوشش قابل ستائش ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا کرے۔

فہرست مندرجات

مقدمہ

اس کتاب کا متن ان یادداشتوں پر مشتمل ہے جو حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمہ (المتوفیٰ ۸/شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ/۱۷ نومبر ۱۹۹۹ء) کی ملاقاتوں سے متعلق ہیں۔ حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذخیرۂ کتب پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔ یہ ۲۴/دسمبر ۱۹۸۹ء کو لائبریری میں منتقل ہوا۔ اس وقت اس ذخیرے میں کتابوں کی تعداد ۵۳۲۴ تھی (بشمول جلدیں و نسخے)۔ حکیم صاحب بعد میں بھی کتابیں بطور عطیہ لائبریری میں بھجواتے رہے۔ ان کی زندگی میں کتابوں کی کل تعداد گیارہ ہزار کے قریب ہوگئی تھی۔ ان کی وفات کے بعد بھی اس ذخیرے کی نشوونما جاری رہی۔ مطبِ موسوی کو چلانے والے میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی قادری ضیائی (۱) اور میاں محمد ریاض ہمایوں سعیدی (۲) زیرحوالہ ذخیرے کے موضوعات سے متعلق کتابیں بطور عطیہ بھجواتے رہے ہیں۔ اب اس ذخیرے میں کتابوں کی کل تعداد بارہ ہزار چھیاسی (بشمول جلدیں و نسخے) کے قریب ہوچکی ہے۔

حکیم صاحب نے یہ گراں بہا ذخیرۂ کتب پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو عطیہ کے طور پر دینے کے لیے راقم السطور کے نام ایک مکتوب مؤرخہ ۲۴/جون ۱۹۸۹ء ارسال کیا۔ اس میں آپ نے تحریر کیا:

''میں اپنی تمام کتابیں پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو تحفۃً دینا چاہتا ہوں۔ آپ کا ادارہ مجھے کیا کیا مراعات دے گا اور کیا میرے نام پر کلیکشن قائم

ہوگا؟ براہ کرم جواب سے سرفراز فرمائیں''۔
نوٹ: باقاعدہ کارروائی کا طریق کار بھی تحریر فرمائیں''۔(۳)

اس مکتوب کے متعلق چیف لائبریرین سے مشورہ کیا گیا۔ ان کے مشورے کے مطابق راقم السطور ۱۷؍ جولائی ۱۹۸۹ء کو حکیم صاحب کے مطب میں حاضر ہوا تا کہ زیر حوالہ موضوع پر ان سے بات چیت کی جائے اور ذخیرۂ کتب کو ایک نظر دیکھ بھی لیا جائے۔ اس موضوع پر حکیم صاحب کے ساتھ تفصیل سے گفتگو ہوئی۔ اس ملاقات کی تحریری رپورٹ چیف لائبریرین کو ۲۳؍ جولائی ۱۹۸۹ء کو پیش کی گئی۔ بالآخر دفتری کارروائی کے بعد حکیم صاحب کو ۱۶؍ اگست ۱۹۸۹ء کو مکتوب نمبر ڈی/۶۹۸/ ایل ارسال کیا گیا جس میں ان کی شرائط کو منظور کر لیا گیا۔(۴)

اس کے جواب میں حکیم صاحب نے ایک چٹھی مؤرخہ ۹؍ ستمبر ۱۹۸۹ء کو ارسال کی جس میں تین شرائط کو وضاحت کے ساتھ تحریر کیا۔ اس میں آپ نے دو نام بھی درج کئے جو ان کے بعد ذخیرے کو دیکھ سکیں گے۔

''میرے بعد جناب صاحبزادہ میاں زبیر احمد صاحب ولد میاں بدرالدین صاحب بازار داتا صاحب، لاہور اور قاضی صلاح الدین قادری ولد جناب قاضی معراج الدین مرحوم، شاہ کمال کالونی اچھرہ، لاہور میرے ذخیرہ کو دیکھنے کے مجاز ہوں گے''۔(۵)

چیف لائبریرین کی طرف سے حکیم صاحب کو مکتوب نمبر ڈی/۸۰۸/ ایل مؤرخہ ۲۳؍ ستمبر ۱۹۸۹ء بھیجا گیا جس میں ان شرائط کو قبول کرنے کے بارے میں تحریر کیا گیا اور فہرست سازی کا کام شروع کرنے کے متعلق بھی لکھا گیا۔ الفاظ یہ تھے:

''سید جمیل احمد رضوی، ڈپٹی چیف لائبریرین، آپ کے پاس آئیں گے تا کہ اس ذخیرے کی فہرست سازی کے بارے میں مشورہ کیا جائے اور باہمی مشورے کی روشنی میں یہ کام شروع کیا جا سکے''۔(۶)

راقم السطور ستمبر ۱۹۸۹ء کے مہینے میں حکیم صاحب کے مطب گیا اور اس بارے میں بات چیت کی۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ ابھی موسم گرم ہے۔ کتابوں کی صفائی بھی کروائی جارہی ہے۔ اگلے مہینے (اکتوبر) کے دوسرے ہفتے میں فہرست سازی کا کام شروع کرنا مناسب ہوگا۔ نتیجۃً ۱۰/اکتوبر ۱۹۸۹ء کو فہرست بنانے کا کام شروع کیا گیا جو ۲۴/دسمبر ۱۹۸۹ء تک جاری رہا۔ مسعود الحسن بٹ صاحب (جونئیر کلرک) اور شکیل احمد صاحب (لائبریری اٹنڈنٹ) کی ڈیوٹی بھی لگائی گئی کہ وہ اس کام میں میری مدد کریں گے۔ بٹ صاحب کے ذمے کتابوں پر مختلف مقامات پر فہرست نمبر لگانا تھا اور شکیل احمد صاحب کے ذمے کتابوں کے پیکٹ باندھنا اور ان کو ترتیب سے رکھنا تھا۔ اس سلسلے میں کسی اور کام کی بجا آوری بھی ان کے ذمے تھی۔

فہرست سازی کا کام دواڑھائی بجے بعد دوپہر تک جاری رہتا۔ عملے کے مذکورہ افراد تو چلے جاتے، میں حکیم صاحب کی مسند کے قریب آ کر بیٹھ جاتا۔ یہ ایسا وقت ہوتا تھا جب مریض اور ملاقاتی دونوں کم آتے تھے۔ اس وقت حکیم صاحب سے علمی گفتگو شروع ہو جاتی۔ وہ ایسی باتیں کرتے جو کتابوں کے بارے میں معلومات افزا ہوتی تھیں۔ کتاب دوست احباب کے واقعات بھی زیرِ بحث لاتے۔ بعض کتابوں کی اہمیت کے بارے میں بھی بتاتے۔ ان میں بعض نکات کو فہرست میں مذکورہ کتابوں کے اندراج کے آخر میں نوٹ کی شکل میں تحریر کر دیا جاتا۔ میں روزانہ کارکردگی کے متعلق گھر آ کر ڈائری لکھتا تھا۔ اس طرح ان علمی باتوں کو بھی بطور یادداشت لکھ لیتا۔ یہ ڈائری تاریخ وار لکھی جاتی تھی۔ ۲۴/دسمبر ۱۹۸۹ء کے بعد بھی حکیم صاحب سے برابر رابطہ رہا۔ میں ان کے مطب میں ملاقات کے لئے حاضر ہوتا رہتا تھا۔ اگر وقت مل جاتا، تو وہ بہت علمی اور فکر انگیز گفتگو کرتے تھے۔ ایسی ملاقاتوں کی یادداشتیں بھی ہر سال کی ڈائری میں لکھ لیتا۔ مجھے اعتراف ہے کہ قریباً دس سال کے عرصے میں تمام ملاقاتوں کی یادداشتیں تو احاطۂ تحریر میں نہ آ سکیں، تاہم جو بھی حوالۂ قلم ہو سکا وہ بہت

مفید اور معلوماتی نوعیت کا ہے۔ ان یادداشتوں کا مرکزی نکتہ ''کتاب'' ہے۔

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں حکیم صاحب سے اپنی پہلی ملاقات اور ان کی شخصیت کے بارے میں اپنے ذاتی تاثرات کو بیان کر دوں۔ میں نے لائبریری سائنس میں پوسٹ گریجوایٹ ڈپلوما ۱۹۶۳ء میں پنجاب یونیورسٹی سے کیا تھا۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں میری تقرری ۲۳ر جولائی ۱۹۶۳ء کو ہوگئی۔ میں نے دو ڈھائی ماہ کے قریب لائبریری کے شعبہ فہرست سازی (Cataloguing Section) میں کام کیا۔ اس کے بعد مجھے لائبریری کے اورینٹل سیکشن، جو کہ فسٹ فلور پر واقع تھا، میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس میں عربی و فارسی کی مطبوعہ کتب اور مخطوطات کا شعبہ بھی شامل تھا۔ اس سیکشن میں قاضی عبدالنبی کوکب (۱۹۳۶ء۔ ۱۹۷۸ء) بھی بیٹھتے تھے جو مخطوطات کی فہرست سازی پر مامور تھے۔ میرا ان سے تعارف یونیورسٹی میں طالب علمی کے زمانے میں ہو گیا تھا۔(۷) اس طرح اب لائبریری کے ایک ہی شعبے میں کام کرنے کی وجہ سے قاضی صاحب سے ہر روز ملاقات ہوتی تھی۔ حکیم صاحب کا قاضی صاحب سے رابطہ تھا۔ وہ ۱۹۶۰ء کے عشرے میں لائبریری میں آتے تھے اور قاضی صاحب سے ملتے تھے جیسا کہ انہوں نے ۵ر ستمبر ۱۹۹۹ء کی ملاقات میں بتایا تھا کہ انہوں نے ''مخزن احمدی'' کتاب لائبریری میں قاضی صاحب کے پاس بیٹھ کر دیکھی تھی۔ راقم السطور کا اس زمانے میں حکیم صاحب سے تعارف نہیں تھا۔ البتہ ان کا اسم گرامی قاضی صاحب کی زبانی سننے کا موقع ملتا تھا۔

غالباً ۱۹۶۷ء کے سال میں اس شعبے کی ترتیب و تنظیم میں تبدیلی کی گئی۔ اردو کتابیں بھی اسی سیکشن میں منتقل کر دی گئیں۔ اورینٹل سیکشن کا ریڈنگ ہال نیچے گراؤنڈ فلور پر موجود ایک بڑے ہال میں بنا دیا گیا۔ اردو کتابوں کو اس سے ملحقہ بند برآمدے میں منظم طریقے سے رکھا گیا۔ خواتین کا کمرہ بھی اسی سیکشن میں ایک باپردہ حصے میں بنا دیا گیا۔ گرمیوں کے موسم میں قاضی عبدالنبی کوکب صاحب بھی اسی ہال

میں بیٹھتے تھے کیونکہ اوپر فسٹ فلور والا حصہ بہت گرم رہتا تھا۔ اب اس اوپر والے حصے میں عربی اور فارسی کی مطبوعہ کتب کا ذخیرہ منظم صورت میں رکھا ہوا تھا۔ اس کی نگرانی کے لیے ایک لائبریری اٹنڈنٹ کی ڈیوٹی لگا دی گئی تھی۔ اسی دوران کسریٰ منہاس صاحب (وفات۔ ۲۹ر نومبر ۱۹۹۵ء) سے میرا تعارف ہوا۔ وہ ہر روز لائبریری میں آتے تھے اور مطالعہ و تحقیق کے کام میں مصروف رہتے۔ کسریٰ صاحب رسالہ نقوش (لاہور) کے دفتر میں کام کرتے تھے۔ علمی اور تحقیقی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے وہ ہر روز لائبریری میں آیا کرتے تھے۔ کسریٰ صاحب سے علمی رابطہ گہرا ہوتا گیا۔

لائبریری میں متعدد ذی علم حضرات تشریف لاتے خصوصاً علوم شرقیہ کے ماہرین اسی شعبے میں آتے تھے۔ ان میں سے بعض فضلاء سے جب لاہور کے ذاتی کتب خانوں کا ذکر ہوتا، تو محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری اور ان کی ذاتی لائبریری کا تذکرہ ضرور ہوتا۔ باخبر اہل علم حضرات بتاتے کہ حکیم صاحب کی ذاتی لائبریری بہت اچھی اور بڑی ہے۔ اس میں ایسی کتب موجود ہیں جن کو نوادر میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ کبھی کبھار کسریٰ منہاس صاحب بھی حکیم صاحب کے بارے میں باتیں کرتے اور ان کی لائبریری کا ذکر بھی کرتے۔ اس کے علاوہ ان کی کتاب دوستی کا تذکرہ بھی ہوتا۔ لیکن مجھے ان کے ہاں جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ یہ غالباً ۱۹۸۶ء کی بات ہے کہ ایک روز کسریٰ صاحب کہنے لگے کہ مجھے کھانسی کی وجہ سے تکلیف ہے۔ حکیم صاحب کے مطب میں جانا ہے۔ آپ (راقم السطور) بھی ساتھ چلیں۔ حکیم صاحب سے آپ کی ملاقات بھی ہو جائے گی۔

میں نے ان کی تجویز سے اتفاق کیا۔ میری مطبوعہ کتب میں سے دو ذاتی کتابیں اس وقت وہاں موجود تھیں: ''ارشادات حضرت علی علیہ السلام'' اور ''پنجاب یونیورسٹی اور اقبال''۔ میں نے یہ دو کتابیں لے لیں اور کسریٰ صاحب سے کہا کہ یہ حکیم

صاحب کی خدمت میں پیش کروں گا۔ چنانچہ ہم دونوں پیدل چل پڑے، چوک نیلہ گنبد کو عبور کیا، پھر میو ہسپتال میں سے ہوتے ہوئے چوک نسبت روڈ پہنچ گئے اور وہاں سے ریلوے روڈ پر آ گئے۔ جلد ہی حکیم صاحب کے مطب (واقع ۵۵۔ ریلوے روڈ) میں پہنچ گئے۔ مطب میں داخل ہوئے تو پہلے حصے میں دوائی خانہ دیکھا۔ سامنے دیکھا تو مسند پر ایک بزرگ سیاہ چشمہ لگائے بیٹھے تھے جن کا چہرہ کتابی، پیشانی کھلی اور سر پر کپڑے کی ٹوپی تھی۔ بڑے تپاک سے ملے۔ کسریٰ صاحب نے میرا تعارف کروایا۔ میں نے کہا کہ حکیم صاحب سے غائبانہ تعارف تو پہلے ہی تھا اب بالمشافہ ملاقات کا شرف بھی حاصل ہو گیا ہے۔ حکیم صاحب نے فوراً خمیرہ گاؤزبان لانے کے لئے فرمایا اور ساتھ ہی چائے بھی منگوائی۔ ہم نے خمیرہ گاؤزبان کھایا اور چائے بھی پی لی۔ اس دوران میں نے اپنی دونوں کتابیں حکیم صاحب کی خدمت میں پیش کیں اور حکیم صاحب کو بتایا کہ ہمارا آبائی پیشہ بھی طبابت ہے۔ والد صاحب بھی طبیب ہیں۔ حکیم صاحب نے کتابوں کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔

اس کے بعد کسریٰ صاحب نے کھانسی کے لیے دوائی لی۔ مین نے حکیم صاحب سے کہا کہ مجھے بھی نزلے کا عارضہ رہتا ہے۔ فرمانے لگے: دوائی دیتے ہیں۔ مجھے بھی دوائی دی۔ چونکہ میں ابھی تک ان کے مزاج سے زیادہ واقف نہیں تھا، اس لیے میں نے کہا کہ اس کے کتنے پیسے ہیں؟ حکیم صاحب نے پہلے تو میرے اس سوال کا جواب اس طرح دیا گویا وہ پیسے بتانا نہیں چاہتے۔ جب میں نے دوبارہ یہی بات کی، تو اب حکیم صاحب نے واضح الفاظ میں بتایا کہ "میرا یہ اصول ہے کہ میں نے ادیب اور طبیب سے کبھی دوائی کے پیسے نہیں لیے۔ آپ کے ادیب ہونے میں تو کوئی شک نہیں کہ آپ نے اپنی دو کتابیں مجھے دی ہیں اور آپ کا تعلق اطباء کے خاندان سے بھی ہے"۔ حکیم صاحب کی یہ گفتگو سن کر میں خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد ہم نے اجازت لی اور میں حکیم صاحب سے اس ملاقات کا خوشگوار تاثر لے کر کسریٰ صاحب

کے ساتھ مطب سے لائبریری کے لیے روانہ ہوا۔ یہ حکیم صاحب سے میری پہلی بالمشافہ ملاقات تھی۔(۸)

حکیم صاحب سے میری دوسری ملاقات ۷ ار جولائی ۱۹۸۹ء کو ہوئی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔اس کا مقصد ان کے مکتوب کے حوالے سے بات چیت کرنا تھا اور ذخیرۂ کتب کو ایک نظر دیکھنا بھی تھا۔اس ملاقات میں حکیم صاحب نے اپنے ذخیرۂ کتب کے خصائص کے حوالے سے بتایا تھا کہ اس میں بعض کتب ایسی ہیں جو لاہور میں صرف اسی ذخیرے میں موجود ہیں۔ مثلاً بقول حکیم صاحب حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کا عربی ترجمہ لاہور میں صرف اسی ذخیرے میں موجود ہے۔(۹)

تیسری ملاقات ستمبر ۱۹۸۹ء میں ہوئی جس میں فہرست سازی کا کام شروع کرنے کے بارے میں مشورہ کیا گیا اور اس کے نتیجے میں ۱۰ ار اکتوبر ۱۹۸۹ء کو یہ کام شروع کر دیا۔ یہ چوتھی ملاقات تھی۔

اس کے بعد باون (۵۲) روز فہرست سازی کا کام ہوتا رہا۔ حکیم صاحب سے روزانہ ملاقات ہوتی۔ فہرست سازی کے ابتدائی دنوں میں راقم السطور ہر روز اپنی ایک یا دو مطبوعہ کتابیں لے جاتا اور ان کو ان کی خدمت میں پیش کرتا۔ وہ خوش ہوتے۔ ان کو الگ رکھ لیتے۔ ایک روز کہنے لگے کہ آپ جو کتابیں مجھے دیتے ہیں، ان کو مطب سے گھر جاتے وقت ساتھ لے جاتا ہوں اور گھر میں ان کو دیکھتا ہوں۔

فہرست سازی کا کام مسلسل بیٹھ کر کیا جاتا تھا، اس سے تبخیر معدہ کی تکلیف کا کسی حد تک احساس ہوتا تھا۔ یہ عارضہ کئی سال پہلے بھی مجھے رہا تھا۔ ایک روز صبح مطب میں جاتے ہی میں نے حکیم صاحب سے اس بارے میں بات کی۔ انہوں نے نبض دیکھی اور بابا جی (باز خاں) سے سفوف کمون کی پڑیا لانے کو کہا اور عرق سونف و گلاب بھی ملا کر لانے کا کہا۔ چنانچہ میں نے یہ پڑیا اس عرق کے آمیزہ کے ساتھ کھا لی۔ پھر کئی روز تک یہی معمول رہا کہ جب میں صبح حاضر ہوتا تو تھوڑی دیر کے لیے

مطب میں بیٹھ جاتا اور حکیم صاحب بابا جی سے دوائی اور عرق لانے کا کہتے۔ چنانچہ میں یہ دوائی عرق کے ساتھ کھالیتا۔ یہ اِن کی شفقت کا ایک انداز تھا۔ ان کی شفقت کے کئی نقوش ان یادداشتوں کے متن کے صفحات میں ملیں گے جو زیر حوالہ کتاب کا موضوع ہے۔

یہاں پر میں ایک روحانی کیفیت یا تجربے کا مختصراً ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ پاکستان کے قیام سے پہلے ہماری رہائش ایک موضع دلیل پور، نزد کلانور اکبری، ضلع گورداسپور (مشرقی پنجاب، انڈیا) میں تھی۔ ہمارے گاؤں کے ساتھ ہی ایک دوسری قدیم بستی کوٹ میاں صاحب (المعروف بہ میاں کوٹ) تھی۔ یہاں حضرت حاجی حسین قادری علیہ الرحمہ (المتوفیٰ ۱۶۶۳ء) کی درگاہ معلیٰ تھی۔ یہ گاؤں سے کچھ فاصلے پر کلانور اکبری جاتے ہوئے راستے میں واقع تھی۔ کلانور میں مغل شہنشاہ اکبر کی تاج پوشی ہوئی تھی۔ اس علاقے میں صوفیہ کے بہت سے مزارات تھے۔ یہ پورا علاقہ باغات اور سرسبز وشاداب ہونے کی وجہ سے بہت شہرت رکھتا تھا۔ اس درگاہ معلیٰ کے بارے میں مؤرخ لاہور میاں محمد دین کلیم (م ۲۴ر اکتوبر ۱۹۸۹ء) لکھتے ہیں:۔(۱۰)

> ''کوٹ میاں صاحب (میں) حاجی حسین قادری کی درگاہ معلیٰ تھی۔ یہ درگاہ برصغیر پاک و ہند میں نہایت امتیازی حیثیت کی حامل تھی۔ اس خانقاہ معلیٰ جیسی چاردیواری جس میں باغات، سجادہ نشینوں کی قبریں، لنگر خانہ، مسجد، درویشوں کے لیے حجرے، طلبہ کے لئے درس گاہ، اس ملک میں اور کہیں نہیں ہے جو شاہانہ سرپرستی میں تعمیر ہوئی۔ شاہ جہاں بادشاہ اور محی الدین اورنگ زیب عالمگیر اس چھوٹے سے قصبہ میں حضرت حاجی حسین قادری کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر دعائے خیر کے طالب ہوئے۔ بے شمار صوفیۂ کرام اور اولیائے عظام بھی حاضر ہوتے رہتے۔ اس درگاہ کے ساتھ کئی ایک گاؤں وقف تھے۔ یہ جاگیر تقریباً

ساڑھے سات سو گھماؤں کے لگ بھگ تھی۔ حضرت حاجی حسین قادری المتوفی ۱۶۶۳ء، حاجی محمد عادل المتوفی ۱۶۸۴ء، حاجی شاہ نور الدین قادری المتوفی ۱۷۱۷ء اور حاجی سعد اللہ المتوفی ۱۷۵۷ء کے بعد میاں پیر شاہ، میاں شہاب الدین اور میاں الٰہی بخش بہت معروف سجادہ نشینان و متولیان درگاہ عالیہ گزرے ہیں۔ ان لوگوں نے اس علاقہ میں جہاں سکھوں کی بربریت اور دہشت گردی اپنے عروج کو پہنچ چکی تھی، احیائے اسلام کے لئے بہت کام کیا۔"(۱۱)

کوٹ میاں صاحب (میاں کوٹ) کے درمیان ایک عالیشان مسجد تھی۔ اس کا فرش سطح زمین سے تقریباً بیس فٹ اونچائی پر تھا۔ مسجد اتنی بڑی تھی کہ اس علاقہ میں کسی اور گاؤں میں اتنی وسیع و عریض مسجد نہ تھی اور جمعہ کے روز تو دور دراز سے لوگ یہاں ادائیگی نمازِ جمعہ کے لیے آتے تھے۔ اس کے مینار بھی بہت بلند تھے۔ (۱۲)

مؤرخ لاہور میاں محمد دین کلیم نے یہاں ایک "قلعہ نما کوٹ" کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"یہ جگہ جو کہ "قلعہ نما کوٹ" کی صورت میں تھی، جب بنی تو اس میں مسجد، لنگر خانہ، خراس اور رہائشی حجرہ جات وغیرہ تھے۔ صدر دروازہ بہت بلند اور عالی شان تھا۔ اس جگہ سجادہ نشین رہا کرتا تھا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ اس قلعہ نما کوٹ کے ارد گرد آبادی ہونی شروع ہوئی اور یہ جگہ ایک قصبہ کی صورت اختیار کر گئی"۔ (۱۳)

ہمارے گاؤں "دلیل پور" کے مسلمانوں نے ۱۹۴۷ء میں عید الفطر کے چند روز بعد پاکستان کی جانب ایک قافلے کی صورت میں سفر کا آغاز کیا۔ اس قافلے کا رخ کلانور کی طرف تھا۔ وہاں سے "ڈیرہ بابا نانک" سے ہوتے ہوئے دریائے راوی کا پل عبور کرنا تھا۔ آگے سر زمین پاکستان تھی۔ جب ہمارے قافلے کا ایک حصہ میاں

کوٹ سے آگے حضرت حاجی حسین علیہ الرحمہ کی درگاہ عالیہ کے قریب آیا تو راقم السطور کی دادی مرحومہ نے کہا کہ حاجی صاحب کو سلام کرتے ہوئے چلتے ہیں۔ میری عمر اس وقت قریباً چھ سال تھی اور میں ان کے ساتھ تھا۔ ہم صدر دروازے سے درگاہ معلیٰ میں داخل ہوئے۔ بائیں جانب پختہ قبور تھیں۔ دائیں جانب مسجد اور مکتب تھے۔ ذرا آگے جا کر حاجی حسین صاحب علیہ الرحمہ کا مزار تھا۔ وہاں میری دادی مرحومہ نے دعا پڑھی۔ میں بھی ان کے ساتھ دعا کے انداز میں کھڑا رہا۔ اس سلام اور دعا کے بعد ہم درگاہ عالیہ کے صدر دروازے سے باہر آ گئے۔ ہمارا قافلہ مختلف حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ کچھ افراد خانہ ابھی پیچھے تھے۔ یہ ہجرت کا سفر اور اس راہ کے مصائب و آلام کی ایک طویل داستان ہے۔ لیکن راقم السطور قافلے کے کچھ دیگر افراد کے ساتھ اسی روز ''ڈیرہ بابا نانک'' کے پل کو عبور کر کے پاکستان میں داخل ہو گیا۔ ان افراد نے پل عبور کرنے کے بعد مجھے میرے بڑے بہنوئی صاحب اور ان کے اہل خانہ کے حوالے کیا اور خود آگے بڑھ گئے۔ میرے بڑے بہنوئی صاحب کالا افغاناں کے قافلے کے ساتھ آئے تھے۔ اب وہ دلیل پور کے روکے ہوئے قافلے کے انتظار میں تھے۔ جن افراد کے ساتھ میں سرزمین پاکستان میں داخل ہوا، وہ والد صاحب کے دوست خادم حسین مرحوم اور ان کے افراد خانہ تھے۔ قافلے کے باقی حصے کو ''ڈیرہ بابا نانک'' کے شہر کے اندر پولیس نے روک لیا۔ ہمارے خاندان کے باقی تمام افراد بھی قافلے کے اسی حصے میں تھے۔ تین روز کے بعد اس قافلے کو جانے کی اجازت دی گئی۔ جب قافلہ ''ڈیرہ بابا نانک'' اور دریائے راوی کے پل کے درمیان تھا تو مسلح سکھوں نے حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کو تو پہلے ہی غیر مسلح کر دیا گیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق اس حملے میں سولہ سو مسلمان شہید ہوئے۔ ہمارے خاندان کے تین افراد معمولی زخمی تھے، دو لاپتہ ہو گئے، ان میں سے ایک میرے بھائی تھے اور دوسرے ماموں زاد بھائی۔ باقی افراد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے محفوظ رہے۔ یہ دو لاپتہ افراد

دس سال کی طویل اور صبر آزما مدت کے بعد سیالکوٹ کے دو گاؤں سے ملے۔

۱۹۴۷ء میں ہجرت کرنے کے بعد ہمارا خاندان فیصل آباد کے چک نمبر ۱۳۲ گ، ب۔ (گوگیرہ برانچ) میں آباد ہو گیا۔ یہاں پر فتح والہ اور کالا افغاناں ضلع گورداسپور کے افغان ہجرت کے بعد آ کر آباد ہوئے تھے۔ ہمارے آباء واجداد کا اصل مسکن بھی کالا افغاناں ہی تھا۔ بعد میں ہمارے دادا جی حکیم سید غلام علی رِضوی مرحوم (وفات ۱۹۴۰ء) نے دلیل پور میں ایک مکان خرید لیا تھا اور والد صاحب حکیم سید بشیر احمد رِضوی (وفات ۱۹۹۲ء) نے ''دلیل پور'' میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد راقم السطور کی مقامی پرائمری سکول میں تعلیم شروع ہوئی۔ مڈل کی تعلیم چک نمبر ۱۳۰ گ۔ ب۔ (بلوچ والا) میں ہوئی۔ میٹرک ایم بی ہائی سکول تاندلیانوالہ (ضلع فیصل آباد) سے پاس کیا۔ پھر گورنمنٹ ڈگری کالج فیصل آباد سے بی۔اے (آنرز) کیا۔ اس کے بعد پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ لائبریری سائنس میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۳ء میں لائبریری سائنس میں پوسٹ گریجوایٹ ڈپلوما کا امتحان پاس کیا۔ اور اسی سال پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں سروس اختیار کر لی۔ اس کے بعد دو امتحان ایم۔اے (عربی) اور ایم۔اے (لائبریری سائنس) بھی اسی یونیورسٹی سے پاس کیے۔

پاکستان بننے کے بعد سے لے کر تعلیم حاصل کرنے کے مراحل تک راقم السطور ایک روحانی کیفیت یا تجربے سے گزرتا رہا۔ سال میں ایک یا دو بار ایک خواب نظر آتا تھا جس میں حضرت حاجی حسین رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ عالیہ روشنی سے بقعۂ نور بنی ہوئی نظر آتی تھی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ یہی روشنی میاں کوٹ کی جامع مسجد میں عالم خواب میں نظر آتی۔ اور کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ وہ مسجد جو گدی نشین کے ''قلعہ نما کوٹ'' میں تھی، وہ بھی اسی حالت میں منور نظر آتی۔ یہ خواب قریباً بیالیس (۴۲) سال تک آتا رہا۔ اپنے خاندان کے بزرگوں سے بھی ایک دو بار اس کا تذکرہ ہوا، لیکن اس کی کوئی

تعبیر یا توجیہہ نہ کی جا سکی۔ یہ تجربہ بہت خوشگوار اثرات لیے ہوئے ہوتا اور اس سے حاصل ہونے والی طمانیت کا احساس کئی روز تک رہتا۔ آخر ۱۰؍اکتوبر ۱۹۸۹ء میں حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے ذخیرہ کتب کی فہرست سازی کا کام شروع کر دیا اور بحمد اللہ یہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ حکیم صاحب کا ذخیرہ لائبریری میں منتقل ہو گیا۔ اس کے بعد دس سال تک ان سے رابطہ رہا۔ ۱۰؍اکتوبر ۱۹۸۹ء کے بعد اس خواب کا سلسلہ بند ہو گیا۔ میں نے ۱۹۹۰ء میں حکیم صاحب کے ایک قریبی نیاز مند سے اس بارے میں بات کی تو انہوں نے کہا کہ اس کی تعبیر ظاہر ہو گئی ہے۔ بہر حال یہ تعبیر بھی پردہ کے اندر رہی۔

حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۸؍شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ؍۱۷؍نومبر ۱۹۹۹ء کو ہو گیا۔ ان کا ختم چہلم بتاریخ ۲۱ جنوری ۲۰۰۰ء؍بمطابق ۱۳؍شوال المکرم ۱۴۲۰ھ بعد از نماز جمعہ بمقام جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ میں انعقاد پذیر ہوا۔ اس میں راقم السطور نے بھی حکیم صاحب کے بارے میں ایک مختصر مقالہ پڑھا۔ اس ختم چہلم کے اختتام پر نماز مغرب کا وقت ہو گیا۔ اس وقت دربار داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے وسیع و عریض صحن کی برقی ٹیوبیں اور قمقمے روشن کر دیے گئے۔ میں نے مسجد کے صحن کی طرف کھلنے والے دروازے سے باہر جا کر دیکھا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ جو منظر میں بیالیس سال سے عالم خواب میں دیکھا کرتا تھا، وہ اب کھلی آنکھوں کے ساتھ دیکھ رہا ہوں۔ دونوں مناظر میں مکمل مماثلت نظر آئی۔۔۔۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ایک خواب میں دکھائی دیتا تھا اور دوسرا کھلی آنکھوں کے سامنے۔

جولائی ۱۹۹۸ء کو حکیم صاحب نے اپنی ذاتی یادداشتوں کی ڈائری بعنوان: ''یاد داشتیں'' (شمارہ ۲۵۲۷) اپنے ذخیرے کے لیے بھجوائی۔ اس میں انہوں نے عربی کا یہ شعر نقل کیا ہوا تھا۔

و لا أحد ان مت يبكي لميتي
سوى مجلسي في الطب و الكتب باكيا (۱۴)

اس شعر کا ترجمہ یہ ہے:

اگر میں وفات پا جاؤں، تو مجھ پر کوئی نہیں روئے گا سوا ان کے جو میرے مطب میں حاضری دیتے ہیں یا میری کتابیں۔

اس کی صداقت کا اندازہ واقعتاً آپ کی وفات کے روز (۱۷ر نومبر ۱۹۹۹ء) کو ہوا۔ جب آپ کے احباب، نیاز مند اور عقیدت مند ایک دوسرے کے گلے ملتے تھے اور زار و قطار روتے تھے۔ نماز جنازہ میں شرکت کے لیے آنے والے حاضرین کے چہرے غم زدہ اور افسردہ تھے۔ دل مغموم تھے، آنکھیں نم تھیں، لیکن حکیم صاحب کی عظمت کے زمزمے ان کے لبوں پر تھے، ان کی علم دوستی اور ادب پروری کے واقعات بیان کیے جا رہے تھے، ان کی شفقت، محبت، فراخ دلی اور جود وسخا کے واقعات زبانوں پر تھے، یہاں پر اپنے ایک مضمون کا اقتباس ذیل میں درج کرتا ہوں۔ (۱۵)

> ۱۹ر نومبر بروز جمعہ اسی پرنور مسجد داتا گنج بخش میں آپ کے ایصال ثواب کے لیے قل خوانی ہوئی۔ (۱۵۔الف) اس روز بھی ہم نے حکیم صاحب کے معتقدین اور متوسلین کی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔ ۲۰ نومبر کی صبح جب میں لائبریری پہنچا تو میرے ذہن پر اس عربی شعر کا بہت گہرا اثر تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ آپ کی وفات پر آپ کی کتابیں بھی تو رو رہی ہوں گی۔ میں لائبریری میں محفوظ ان کے ذخیرۂ کتب کے قریب حاضر ہوا۔ دیکھا کہ پچیس الماریاں کتابوں سے بھری ہوئی ہیں۔ ہر الماری کے چھ خانے ہیں۔ اس طرح ایک سو پچیس شیلوز (خانوں) میں "علم کے موتی" اپنی روشنی سے اس افسردہ ماحول کو منور کر رہے تھے۔ سوچا کہ ان کو تعزیت پیش کرنی چاہیے کہ ان کو جمع کرنے، محفوظ کرنے اور پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو عطیہ کرنے والی شخصیت اب اس دنیا سے پردہ کر گئی ہے۔ میں نے پہلی الماری کے پہلے خانے پر موجود کتابوں کے سینے پر

اپنا دایاں ہاتھ رکھا اور یہ کلمات دہرائے کہ صاحب ذخیرہ (حکیم محمد موسیٰ امرتسری) وفات پا گئے ہیں۔ میں ان کی وفات حسرت آیات پر تعزیت پیش کرتا ہوں۔ اس طرح میں ایک ایک الماری کے پاس گیا اور کوشش کی کہ ہر الماری کے ہر خانے میں موجود کتب کو تعزیت پیش کرتا جاؤں یہاں تک کہ میں آخری الماری کے آخری خانے تک پہنچ گیا۔ پھر تھوڑی دیر کے لیے ذخیرہ کتب کے قریب کھڑا رہا۔ میری زبان اور لبوں پر خود کلامی کے انداز میں حکیم صاحب کے لیے تحسین و توصیف کے کلمات نکلنے کے لیے بے تاب تھے۔ دل تعزیتی جذبات سے لبریز تھا۔ میں اس منظر کو اپنی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا جب دس سال پہلے ۲۴ ردسمبر ۱۹۸۹ء کے دن اس وقت جب کتابوں سے بھری دو ویگنیں حکیم صاحب کے مطب سے یونیورسٹی کی طرف حرکت کرنے کے لیے تیار کھڑی تھیں۔ میں حکیم صاحب کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ان کے قریب حاضر ہوا۔ مصافحہ کیا اور ان کے چہرے پر ایسے تاثرات دیکھے جو زبان حال سے بتا رہے تھے کہ اپنی متاع حیات کو پنجاب یونیورسٹی اور قوم کے حوالے کر رہا ہوں۔ یہ زندگی بھر کا اثاثہ ہے۔ اور پھر ۱۷ ر نومبر ۱۹۹۹ء کا دن جب حکیم صاحب نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی اور کتابوں کو جمع کرنے کے لیے ان کی بے قراری سکون و طمانیت میں بدل گئی:

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا (۱۶)

اس سال مئی کے مہینے میں حکیم صاحب کے مطب میں گیا۔ میاں محمد ریاض ہمایوں سعیدی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ بعد میں محترم میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی قادری ضیائی بھی آ گئے۔ ان سے باتیں ہوتی رہیں۔ میں نے میاں زبیر احمد صاحب

سے کہا کہ میرے پاس حکیم صاحب کے بارے میں یادداشتیں محفوظ ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان کو مرتب کر کے کسی رسالے میں قسط وار چھپوا دوں۔ میاں صاحب نے فوراً کہا کہ رسالے میں کیوں؟ اس کو ہم خود شائع کریں گے۔ مزید کہا کہ اگر آپ ان کو جون کے آخر تک مرتب کر دیں تو ہم اس کتاب کو حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عرس (۸/شعبان المعظم ۱۴۲۴ھ) کے موقع پر شائع کر دیں گے۔ میں نے کہا کہ کوشش کروں گا کہ یہ کام جون کے آخر تک مکمل ہو جائے۔ حکیم صاحب کے فیضان اور میاں صاحب کی ترغیب و تشویق سے یہ کام جون میں پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ الحمدللہ علی احسانہ۔ اگر میاں صاحب اس کام کو جلد مکمل کرنے کی ترغیب نہ دلاتے تو شاید یہ اتنی جلدی تکمیل کے مراحل طے نہ کرتا۔

اب ان یادداشتوں کی ترتیب و تدوین کے متعلق چند جملے لکھے جاتے ہیں۔ ان کو تاریخ وار لکھا گیا ہے۔ ہر مجلس یا نشست میں بیان کیے گئے اہم نکات کو ذیلی عنوانات لگا دیے ہیں تا کہ قاری ایک نظر میں جان سکے کہ اس تاریخ میں کن کن موضوعات پر باتیں ہوئیں۔ یادداشتوں کے آخر میں ضروری حواشی بھی دے دیے ہیں تا کہ بعض مقامات کی مزید وضاحت ہو جائے۔ آخر میں دو اشاریے مرتب کیے گئے ہیں۔۔۔ اشاریہ اشخاص اور اشاریہ کتب (بشمول رسائل)۔ یہاں پر اس امر کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں زیر حوالہ ''مقدمہ'' تحریر کیا گیا ہے جس میں ''ذخیرہ کتب حکیم محمد موسیٰ امرتسری'' کے متعلق ضروری معلومات درج کر دی ہیں اور حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے بارے میں تاثراتی احساسات کو بیان کر دیا ہے۔

آخر میں میاں زبیر احمد قادری کا ممنون احسان ہوں کہ انہوں نے ان یادداشتوں کو شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ نیز ان کی ترغیب کی وجہ سے یہ کام جلد تکمیل پذیر ہوا۔ محترم محمد ریاض ہمایوں سعیدی صاحب نے بھی اس کتاب کی ترتیب و

تدوین میں بعض معلومات فراہم کیں۔ علاوہ ازیں وہ دار الفیض گنج بخش کے اشاعتی پروگرام کے ناظم اشاعت بھی ہیں۔ ان کا بھی سپاس گزار ہوں۔ خداوند عالم ان دونوں کی توفیقات میں مزید اضافہ کرے تا کہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا مشن جاری وساری رہے۔

سید جمیل احمد رضوی

۲۴ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ/۲۵ جون ۲۰۰۳ء ۱۱۔ بی، نیو شالیمار ٹاؤن، لاہور

سابق چیف لائبریرین، پنجاب یونیورسٹی لائبریری

لاہور۔ ۵۴۵۹۰

یادداشتین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۹۸۹ء

۱۰/اکتوبر ۱۹۸۹ء

فہرست سازی کا طریق کار

آج ذخیرۂ کتب حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی فہرست سازی کے لیے جناب مسعودالحسن بٹ (جونیئر کلرک) اور جناب شکیل احمد (لائبریری اسٹنٹ) کے ہمراہ حکیم صاحب کے مطب واقع ۵۵۔ ریلوے روڈ، لاہور پہنچا (۱۷)۔ اندارج کا ایک نمونہ بنایا۔ اس کو دکھانے کے لیے مطب کے گراؤنڈ فلور پر آیا۔ حکیم صاحب نے اس کو دیکھا اور فرمایا کہ ٹھیک ہے۔ اس میں زبان کا اضافہ کر دیں۔ میں نے کہا کہ زبان کی نشاندہی ہر اندراج کے آخر میں قوسین میں مخفف صورت میں کر دی جائے گی۔ حکیم صاحب نے اس سے اتفاق کیا۔ فہرست سازی کے لیے ہر اندراج کے درج ذیل ضروری عناصر طے پائے۔

ا) کتاب کے مصنف / مؤلف کا نام

ب) عنوان کتاب

ج) مقام اشاعت

د) ناشر / مطبع

ھ) سال اشاعت

و) تعداد صفحات یا مجلدات کی تعداد

ز) زبان (قوسین میں مخفف صورت میں)

اگر ایک جلد میں ایک سے زیادہ کتب ہوں تو ان کی تفصیل بھی اندراج میں دی

جائے گی۔ اگر کسی کتاب کے بارے میں کوئی اہم بات ہوگی تو اس کا ذکر بھی کیا جائے گا۔ مترجم، مرتب، محشی (حاشیہ نگار) وغیرہ کا نام بھی اندراج کے متن میں دیا جائے گا۔ اگر ایک کتاب کے دو نسخے ہیں تو اس بارے میں ضروری نوٹ دیا جائے گا۔ اس طرح سائنسی انداز سے فہرست مرتب کی جائے گی۔ حکیم صاحب کا خیال ہے کہ اگر ممکن ہوا تو اس فہرست کو شائع کیا جائے گا۔ اس پر میں نے کہا کہ اگر اس کو شائع کرنا مقصود ہے تو اس کے آخر میں اشاریۂ عنوانات بھی ہونا چاہیے تا کہ کتاب کے عنوان سے آسانی سے رسائی ہو سکے۔ حکیم صاحب نے اس سے اتفاق کیا۔ میں نے کہا کہ یہ کام بھی ان شاء اللہ میں کر دوں گا۔ محترم حکیم صاحب کی خواہش ہے کہ یہ فہرست راقم السطور ہی مکمل کرے تا کہ اس کے معیار کو قائم رکھا جا سکے۔ اس طرح اس کی اشاعت میں آسانی رہے گی۔ (۱۸)

۱۸۔ اکتوبر

مکتوبات امام ربانی

آج حکیم صاحب نے مکتوبات امام ربانی کی ایک اشاعت کے بارے میں بتایا کہ اس پر مولانا نور احمد (وفات ۱۹۳۰ء) کے حواشی موجود ہیں لیکن جو نسخہ ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی، کراچی سے شائع ہوا ہے اس پر مدیر / مصحح (Editor) درج نہیں ہے گویا عمداً نکال دیا گیا ہے۔ یہی نسخہ استانبول کے ایک مکتبہ کے ہاتھ لگ گیا، اس میں بھی مولانا نور احمد کا نام سرورق پر موجود نہیں ہے یعنی استانبول والی اشاعت کراچی والی اشاعت کی نقل ہے۔ یہ بات علمی دیانت کے خلاف ہے۔ مکتوبات (امام ربانی) کی امرتسر والی اشاعت میں مولانا نور احمد کا نام شامل ہے۔ اس طرح کراچی اور استانبول والی اشاعتوں میں حواشی تو موجود ہیں، لیکن محشی (حاشیہ نگار) کا نام غائب ہے۔

کتاب علاج الامراض پر مولانا حالی کی تقریظ

محترم حکیم صاحب کبھی کبھی کسی کتاب کے بارے میں خاص نکات کی وضاحت بھی کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً ایک دن انہوں نے بتایا کہ کتاب: علاج الامراض (فارسی) کے نسخے کے آخر میں مولانا الطاف حسین حالی (وفات ۱۹۱۴ھ) کی تقریظ موجود ہے۔ اس کتاب کی باقی اشاعتوں میں یہ تقریظ موجود نہیں ہے۔ ذخیرہ حکیم صاحب کے نسخے سے شیخ محمد اسماعیل پانی پتی (وفات ۱۹۷۲ء) نے بھی استفادہ کیا تھا یعنی مولانا حالی پر کام کرتے ہوئے انہوں نے اس کو استعمال کیا تھا۔ اس اعتبار سے یہ نسخہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس بات کو میں نے فہرست سازی کے دوران اس کتاب کے اندراج کے آخر میں تحریر کر دیا ہے۔

مولانا انور شاہ کشمیری پر تحقیق

ایک روز حکیم صاحب کہنے لگے کہ چند سال پہلے ایک صاحب مولانا انور شاہ کشمیری (وفات ۱۹۳۳ء) پر پی ایچ۔ ڈی کا مقالہ (پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے) لکھ رہے تھے۔ ان کو میں نے کہا کہ مولوی عبد اللہ نے شاہ صاحب کی صرفی ونحوی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔ اس کتاب کا نام ”الکتاب المستطاب فی جواب فصل الخطاب“ ہے۔ حکیم صاحب یہ کتاب ہاتھ میں لیے مطب سے اوپر لائبریری والے حصے (فسٹ فلور) میں آئے اور اس بات کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ میرے پر زور اصرار پر مقالہ نگار نے بازار سے مذکورہ کتاب خریدی اور مقالے کی تیاری میں اس کو بھی استعمال کیا۔

خزینۃ الاصفیاء پر قلمی حواشی

۱۸۔ اکتوبر کی صبح جب میں مطب میں پہنچا تو حکیم صاحب نے جاتے ہی بتایا کہ خزینۃ الاصفیاء کی دوسری جلد اوپر لائبریری میں رکھی ہے۔ اس پر پیر غلام دستگیر نامی (وفات ۱۹۶۱ء) کے چند قلمی حواشی موجود ہیں۔ یہ کتاب نامی صاحب کے زیر

استعمال رہی ہے۔ اس کا ذکر فہرست میں کر دیں۔ چنانچہ میں نے مطب کی اوپر کی منزل میں جا کر اس کتاب کو دیکھا تو واقعاً نامی مرحوم کے قلم سے اس پر حواشی موجود تھے۔ اس کا ذکر بھی فہرست میں کر دیا گیا ہے۔

۱۹/۱۰ اکتوبر

مثنوی یکتا (قصہ ہیر رانجھا)

۱۹/۱۰ اکتوبر کو فہرست سازی کرتے وقت میں نے مثنوی یکتا (قصہ ہیر رانجھا) کا ایک مطبوعہ نسخہ دیکھا۔ اس پر بھی پیر غلام دستگیر نامی کا ایک نوٹ ملا۔ اس کا ذکر بھی زیر حوالہ مثنوی کے اندراج کے ذیل میں کر دیا گیا ہے۔

بشیر ہندی کا ذخیرۂ کتب

آج حکیم صاحب نے بشیر ہندی (وفات ۱۹۸۶ء) کا ایک واقعہ سنایا۔ بقول حکیم صاحب مجھے اطلاع ملی کہ ہندی صاحب نے اپنی لائبریری قائداعظم لائبریری کو دے دی ہے۔ چند روز کے بعد جب بشیر ہندی میرے پاس آئے، تو میں نے اس بارے میں استفسار کیا۔ انہوں نے بتایا کہ گھر میں باتیں ہو رہی تھیں کہ کتابوں کی وجہ سے گھر کی صفائی درست نہیں رہتی۔ یہ بات میں نے بھی سن لی، چنانچہ میں نے اسی وقت قائداعظم لائبریری میں فون کیا کہ میری کتابیں لائبریری کے لیے لے جائیں۔ حکیم صاحب نے ان سے پوچھا کہ کیا کچھ کتابیں اپنے پاس بھی رکھ لی ہیں یا سب اس لائبریری کو دے دی ہیں۔ کہنے لگے کہ چند اپنے استعمال کے لیے رکھ لی ہیں۔ اس کے بعد جب ان کا انتقال ہو گیا تو میں فاتحہ خوانی کے لیے ان کے ہاں گیا۔ میں نے ان کے ورثاء سے کہا کہ باقی کتابیں بھی اسی لائبریری کو دے دیں جہاں ان کی کتابیں پہلے دی جا چکی ہیں تاکہ ضائع نہ ہو جائیں۔

پیر غلام دستگیر نامی کی خطی کتب

آج حکیم صاحب نے پیر غلام دستگیر نامی (وفات ۱۹۶۱ء) کے بارے میں بتایا کہ حالت مرض میں، میں ان کی عیادت کے لیے ان کے ہاں گیا۔ انہوں نے قریباً پچاس ساٹھ مخطوطات لے جانے لیے کہا۔ میں لے آیا اور سمجھا یہ کہ شاید ان کی فہرست تیار کرنی ہے۔ چنانچہ میں نے فہرست تیار کر دی اور بعد میں اپنے آدمی کے ذریعے وہ مخطوطات ان کے ہاں واپس بھیج دیے۔ جب نامی صاحب کا انتقال ہو گیا، تو میں نے ان کے ورثاء سے ان کتابوں کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ جس کمرے میں کتابیں رکھی ہوئی تھیں، اس کی چھت گر گئی اور وہ سب کتابیں ضائع ہو گئی ہیں۔ اس طرح اخلاف علم کی ناقدری کرتے ہیں۔

بام عرش از سید منظور احمد مہجور مکان شریفی

آج میں نے حکیم صاحب سے کہا کہ آپ کے ذخیرے میں ''بام عرش'' نامی کتاب از سید منظور احمد مہجور مکان شریفی (وفات ۱۹۶۹ء) موجود ہے۔ سادات مکان شریف کے ساتھ ہماری رشتہ داری ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے ذاتی ریکارڈ کے لیے ایک فوٹو کاپی کروالوں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اس کتاب کو تاج کمپنی نے شائع کیا ہے۔ پرسوں بروز ہفتہ آدمی بھیج کر تاج کمپنی سے پتہ کروالیں گے کہ آیا یہ کتاب قیمتاً مل سکتی ہے۔ اگر دستیاب ہوئی تو لے لیں گے۔ میں نے کہا کہ اس صورت میں اس کی قیمت میں ادا کروں گا۔ اگر یہ دستیاب نہ ہوئی تو پھر اس کی فوٹو کاپی کروالی جائے گی۔ (۱۹)

مرأة المحققین از سید امام علی شاہ مکان شریفی

اسی حوالے سے حکیم صاحب نے ''مرأة المحققین'' تالیف سید امام علی شاہ مکان شریفی (وفات ۱۸۶۶ء) کا ایک نسخہ اپنی لائبریری سے اپنے دستخط کے ساتھ

عنایت کیا اور کہا کہ چونکہ آپ کے خاندان کی رشتہ داری سادات مکان شریف سے ہے۔ اس لیے یہ کتاب آپ کو دی جا رہی ہے۔ حکیم صاحب کے ذخیرے میں اس کتاب کے دو اور نسخے موجود ہیں۔ ایک پرانا چھپا ہوا ہے اور دوسرا شرق پور میں صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری کے اہتمام سے شائع ہوا ہے۔

حکیم صاحب کی کتابوں سے محبت

حکیم صاحب کو کتابوں کے ساتھ بہت زیادہ محبت ہے۔ انہوں نے نہایت اہتمام کے ساتھ اپنے ذخیرۂ کتب کو رکھا ہوا ہے۔ کتابوں کی صفائی کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ ان کی جلد بندی احتیاط کے ساتھ کرواتے ہیں۔ ان دنوں بھی غیر مجلد کتابوں کی جلد کروا رہے ہیں تاکہ تمام غیر مجلد کتب کی جلد ہو جائے اور مجلد صورت میں ذخیرے کو پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے حوالے کریں۔ حکیم صاحب کی کتاب کے بارے میں یادداشت بہت اچھی ہے۔ ناشر تک ان کو یاد ہیں۔ اگر ایک کتاب کے مختلف ایڈیشن شائع ہوئے ہیں، تو وہ بھی ان کے علم میں ہیں۔ کتابوں کے ساتھ محبت اور ان کی جمع آوری کی خوبیاں ان کو وراثت میں ملی ہیں۔ ان کے والد گرامی فخر الاطباء حکیم فقیر محمد چشتی (وفات ۱۹۵۲ء) امرتسر میں مطب کرتے تھے۔ ان کا علمی ذوق ''طب'' اور ''تصوف'' کا تھا۔ ان علوم پر انہوں نے چار ہزار کتابیں وہاں جمع کر رکھی تھیں۔ حکیم صاحب کے بڑے بھائی (حکیم غلام قادر مرحوم المتوفیٰ ۱۹۷۵ء مدفون ملتان) کا ذوق ہمہ جہتی تھا۔ انہوں نے بیس ہزار کے قریب کتب جمع کی تھیں۔ اس طرح امرتسر میں ان کے پاس قریباً چوبیس ہزار کتب کا ذخیرہ تھا۔ امرتسر میں ان سے بڑا ذخیرہ کتب صرف مولوی ثناء اللہ امرتسری (وفات ۱۹۴۸ء) کا تھا۔ یہ سب کتابیں امرتسر میں فسادات کے زمانے ۱۹۴۷ء میں ضائع ہو گئیں۔ جس مکان میں یہ کتابیں تھیں، اس کو ہندوؤں نے آگ لگا دی تھی۔ اس طرح یہ ذخیرۂ کتب ضائع ہو گیا۔

قیام پاکستان کے بعد ان کے بڑے بھائی (حکیم غلام قادر مرحوم) نے ملتان

میں بہت اچھا ذخیرۂ کتب جمع کر لیا تھا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے نے اس کو محفوظ نہ رکھا۔ حکیم صاحب نے بتایا کہ ان کے ایک بھائی (حکیم شمس الدین) پاکپتن شریف میں مقیم ہیں۔ ان کی لائبریری علم طب کے حوالے سے بہت اچھی ہے۔ حکیم صاحب نے بتایا کہ میرے ذخیرے کی طبی کتب وہ لے گئے ہیں اور اپنے ہاں رکھ لی ہیں۔ اب بھی حکیم صاحب کے ذخیرے میں علم طب پر متعدد کتابیں موجود ہیں جن کا اندراج فہرست میں کیا جا رہا ہے۔ حکیم صاحب نے آج بتایا کہ پہلے میرا خیال نہیں تھا کہ اپنا ذخیرہ پنجاب یونیورسٹی کو دے دوں گا۔ اس وجہ سے طبی کتب کو پاکپتن بھیج دیا گیا۔ اگر پہلے ذہن میں یہ بات ہوئی تو ان میں ایسی کتابیں بھی موجود تھیں جو پنجاب یونیورسٹی کو دی جا سکتی تھیں۔

مولوی شمس الدین مرحوم (تاجر کتب نادرہ)

آج (۱۹۔اکتوبر ۱۹۸۹ء) حکیم صاحب نے یہ بھی بتایا کہ میں مولوی شمس الدین مرحوم (وفات ۱۹۶۸ء) کی کتابوں کی دکان واقع لوہاری دروازہ، مسلم مسجد میں جایا کرتا تھا۔ وہاں پر بہت سی شخصیات سے ملاقات ہوتی تھی جیسے علامہ عبدالعزیز المیمنی مرحوم (وفات ۱۹۷۸ء) وغیرہ۔ سید منظور احمد مہجور مکان شریفی سے بھی وہاں ملاقاتیں رہیں۔ وہ مکتوبات امام ربانی کے حافظ معلوم ہوتے تھے۔ جب بھی کوئی بات ہوتی تو مکتوبات کے حوالے دیتے تھے، گویا یہ ان کو حفظ ہیں۔ سید صاحب بہت صاحب علم انسان تھے۔ حکیم صاحب نے یہ بھی بتایا کہ ایک زمانہ ایسا تھا کہ رتڑ چھتڑ (مکان شریف) علم و فضل کا مرکز تھا۔ میں نے حکیم صاحب کو بتایا کہ میرے دادا جی حکیم سید غلام علی رِضوی مرحوم (وفات جنوری ۱۹۴۰ء) مکان شریف میں مولوی علی محمد مرحوم سے پڑھتے رہے (۲۰)۔ حکیم صاحب نے یہ بھی بتایا کہ بٹالہ (ضلع گورداسپور، مشرقی پنجاب، بھارت) بھی علم و فضل کا مرکز رہا ہے۔ فاضلیہ کالونی، لاہور والوں کی وہاں بڑی خانقاہ (گدی) تھی۔ ان کا وہاں ایک مدرسہ بھی تھا۔ دورانِ گفتگو میں نے

حکیم صاحب کو بتایا کہ ایک زمانے میں دادا جی حکیم سید غلام علی مرحوم بٹالہ میں اپنا مطب چلاتے تھے۔ وہ ان (مشائخ فاضلیہ کالونی) کے خاندانی طبیب تھے۔ اس زمانے میں میرے والد صاحب حکیم سید بشیر احمد رِضوی مرحوم (وفات ۱۰۔ فروری ۱۹۹۲ء) ان کے مدرسے میں پڑھتے رہے۔ (۲۱)

۲۱۔ اکتوبر

فیروز دین (ملازم)

آج میں ۲ بجے بعد دوپہر سے لے کر ۳ بجے تک حکیم صاحب کے پاس بیٹھا۔ مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں۔ حکیم صاحب نے بتایا کہ میرے پاس فیروز دین نامی ایک ملازم پچیس سال تک رہا۔ وہ بہت دیانتدار تھا۔ مطب کی ساری نگرانی وغیرہ کا کام کرتا تھا۔ مجھے بعض اوقات ایسی بات بھی کہ دیتا تھا کہ فضول خرچی نہ کیا کریں۔ اس زمانے میں، میں نے لکھنے کا کام کیا۔ وہ بعد میں بڑھاپے کی وجہ سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میری مصروفیات میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا۔ میرا لکھنے کا کام بری طرح متاثر ہوا۔ اس طرح مجھے بہت علمی نقصان ہوا۔

حکیم صاحب کی تعلیم

حکیم صاحب نے میرے سوال پر بتایا کہ میں نے علم طب اپنے والد مرحوم (حکیم فقیر محمد چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ) سے پڑھا ہے۔ فارسی اور عربی دیگر اساتذہ سے پڑھی۔ اس میں علامہ آسی صاحب (علامہ محمد عالم آسی، المتوفی ۱۹۴۴ء) کا نام بھی آتا ہے۔ میں نے محمد شفیع پاندہ مرحوم سے لنڈے پڑھے تھے۔ ہندوؤں کے ساتھ کاروبار کرنے کے لیے اس کی ضرورت تھی۔ مطب کی وجہ سے ایسا کاروبار ضروری تھا۔ بعد میں یہ بھول گیا ہوں۔ (۲۲)

۲۲۔ اکتوبر

صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی

آج حکیم صاحب کے مطب کی بجلی بند تھی۔ حکیم صاحب تفسیر اور حدیث کی کتابیں الگ الگ کر رہے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ اس کام میں شریک ہو گیا۔ اسی دوران میں پروفیسر محمد اقبال مجددی آ گئے۔ ان کے بعد ایک دراز قد، چغہ پہنے ہوئے، سفید اور سیاہ ریش والے بزرگ بھی مطب میں آ گئے۔ ان سے بھی مصافحہ ہوا۔ انہوں نے آتے ہی حکیم صاحب کے بارے میں پوچھا۔ ان کو بتایا کہ وہ اوپر والے حصے (فسٹ فلور) میں گئے ہیں، آ جاتے ہیں۔ اتنے میں حکیم صاحب آ گئے۔ وہ صاحب واش روم میں جانے کے لیے آفتابہ میں مطب میں لگے نلکے سے پانی بھرنے لگے۔ حکیم صاحب نے اپنے ملازم سے کہا کہ تم پانی بھرو۔ انہوں نے (بزرگ صاحب) کہا کوئی بات نہیں۔ پھر وہ واش روم سے فارغ ہو کر واپس آ گئے۔ اور پروفیسر محمد اقبال مجددی سے مصروف گفتگو ہو گئے۔

حکیم صاحب نے مجھے بتایا کہ یہ میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری ہیں۔ ان سے کتاب ''ذکر مبارک'' (تذکرہ مشائخ السادات مکان شریف) کے بارے میں کہیں گے کہ اس کا ایک نسخہ آپ کے لیے بھجوا دیں۔ تھوڑی دیر بعد جب اقبال مجددی صاحب جانے لگے تو حکیم صاحب نے ان سے کہا کہ شاہ صاحب (راقم السطور) کا تعارف میاں صاحب سے کروا دیں۔ اس دوران میاں صاحب بھی ہمارے پاس آ گئے۔ اقبال مجددی صاحب نے میرا تعارف میاں صاحب سے کروایا۔ صاحبزادہ میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری سے مکان شریف کے حوالے سے بات شروع ہوئی۔ میں نے ان کو بتایا کہ ہماری اس خاندان سے عزیز داری / رشتہ داری ہے۔ وہ کہنے لگے: کس قسم کی؟ میں نے کہا کہ میرے چچا کی شادی اس خاندان میں ہوئی

ہے۔ ان کی رہائش گوجرہ میں ہے۔ دوسرے عزیزوں کے بارے میں بھی میاں صاحب کو بتایا۔ میں نے میاں صاحب سے کہا کہ مجھے حضرت حاجی حسین مرحوم المتوفی ۱۶۶۳ء (مدفون میاں کوٹ، نزد کلانور اکبری، ضلع گورداسپور) کے بارے میں مواد کی تلاش ہے۔ اسی طرح مکان شریف کے بارے میں مواد چاہیے۔ یہ تحقیق کے لیے مطلوب ہے۔ میاں صاحب نے کہا کہ آئیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔

چنانچہ ہم حکیم صاحب کی مسند کے قریب پڑی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئے اور باتیں کرتے رہے۔ مکان شریف کے بارے میں انہوں نے ایک قلمی کتاب "آیات قیومیہ" کا نام لیا۔ فرمانے لگے اس کی چند فوٹو کاپیاں کروائی گئی تھیں۔ ممکن ہے کہ یہ سرمد صاحب (مقیم لاہور)، سخاوت حسین بخاری صاحب (مقیم اعوان ٹاؤن) کے پاس ہو۔ نارووال میں سید احمد حسین صاحب مکان شریفی رہائش پذیر ہیں۔ انہوں نے وہاں پر مسجد حاجی میراں شاہ حسین تعمیر کروائی ہے۔ ان سے معلومات بھی مل سکتی ہیں۔ میں نے بتایا کہ اسی خاندان کے کچھ افراد بھلیر نزد سانگلہ ہل، گوجرہ اور سیالکوٹ میں بھی مقیم ہیں۔ ان کے بارے میں مجھے علم ہے۔ میاں صاحب نے دوران گفتگو بتایا کہ ہم نے شرقپور سے "مجدد نمبر" تین جلدوں میں شائع کیا ہے۔ اس کے بارہ سو سے زائد صفحات ہیں۔ میاں صاحب نے میرا ایڈریس (پتہ) اور فون نمبر پوچھا۔ میں نے پنجاب یونیورسٹی کا پتہ اور فون نمبر لکھ کر دے دیا۔

میاں صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ سب کتب خانوں کی فہرستیں بنا رہے ہیں؟ میں نے کہا، نہیں۔ صرف حکیم صاحب کے کتب خانے کی فہرست سازی کر رہا ہوں۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا آپ ان کے نام کا سیکشن لائبریری میں کھولیں گے، اور ان کی لائبریری پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں منتقل ہو جائے گی؟ میں نے جواب دیا: "جی، ہاں"۔ اس پر انہوں نے مسکرا کر کہا کہ اس طرح کہیں کہ ان کے نام

کا ایک سیکشن پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں کھولا جا رہا ہے (۲۳)۔ اس کے بعد میں دوبارہ کتابوں کے انتخاب والے عمل یعنی الگ الگ کرنے میں مصروف ہو گیا۔

بعد میں مطب کی برقی رو درست کروائی گئی۔ میں مطب کے اوپر والے حصے میں جا کر فہرست سازی کے کام میں مصروف ہو گیا۔ میاں صاحب بہت دیر تک بے تکلفی کے ساتھ باتیں رہے۔ بعد میں ان کی آواز اوپر آنا بند ہو گئی۔ بعد ازاں میرے استفسار پر حکیم صاحب نے بتایا کہ میاں صاحب کے چند احباب آ گئے تھے۔ وہ ان سے باتیں کرتے رہے تھے۔

آج اگرچہ پنجاب یونیورسٹی میں انتظامی عملے کی مکمل ہڑتال تھی۔ لیکن ہم نے حسب معمول فہرست سازی کا پورا کام کیا۔ میں نے شروع میں مسعود الحسن بٹ صاحب سے کہہ دیا تھا کہ اگر آپ جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں۔ اسی طرح شکیل احمد صاحب کو بھی کہہ دیا تھا، لیکن انہوں نے کہا کہ ہم یہاں بیٹھ کر کام کریں گے۔ ہڑتال پر نہیں جائیں گے۔ آج لائبریری کے عملے کے دو ارکان یونس صاحب اور حامد علی صاحب بھی یہاں بٹ صاحب کو ملنے کے لیے آئے، ان کے ساتھ ایک اور صاحب (اظہر نامی) بھی تھے۔

۲۴۔ اکتوبر

مؤرخ لاہور میاں محمد دین کلیم کا انتقال

آج صبح حکیم صاحب کے مطب میں پہنچا اور اوپر جا کر فہرست سازی کا کام شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حکیم صاحب لائبریری والے حصے میں اوپر تشریف لائے اور بتایا کہ ایک افسوس ناک خبر ہے۔ اور وہ یہ کہ آج صبح ساڑھے پانچ بجے میاں محمد دین کلیم، مؤرخ لاہور کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہ خبر سن کر بہت صدمہ ہوا۔ میں نے حکیم صاحب سے استفسار کیا کہ نماز جنازہ کا وقت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ معلوم

کر کے آپ کو بتا دیا جائے گا۔ چنانچہ جب حکیم صاحب تک نماز جنازہ کے وقت کی اطلاع پہنچی، تو انہوں نے بتایا کہ نماز جنازہ قریباً ساڑھے چار بجے سہ پہر گڑھی شاہو کے قبرستان میں ادا کی جائے گی۔ میں نے کہا کہ میں ۲ بجے بعد دوپہر کے قریب پہلے گھر جاؤں گا۔ پھر جنازے میں شرکت کرنے کے لیے وقت مقررہ گڑھی شاہو پہنچ جاؤں گا۔ چنانچہ میں ساڑھے چار بجے کے قریب گڑھی شاہو پہنچ گیا۔ وقت مقررہ پر مرحوم کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اس میں کافی لوگوں نے شرکت کی۔ اس میں حکیم محمد موسیٰ امرتسری، پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی اور بہت سے لوگ شامل ہوئے۔ ان کو نماز مغرب سے پہلے گڑھی شاہو کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

۲۶۔ اکتوبر

خیر منکھ پر حواشی

آج صبح ساڑھ آٹھ بجے مطب پہنچ گیا۔ اور تصوف کے بارے میں کتابوں کی فہرست سازی کا کام شروع کیا۔ بارہ بجے دوپہر تک ساٹھ سے زائد اندراجات مکمل کیے۔ باقی سٹاف چلا گیا۔ میں مختصر وقفے کے بعد دوبارہ فہرست سازی کا کام کرنے لگا۔ ایک پیکٹ مزید باندھا۔ تقریباً تیرہ کتابوں کی فہرست بنانے کا مزید کام کیا۔ اس کے بعد نیچے (گراؤنڈ فلور) آ کر حکیم صاحب کے پاس بیٹھ گیا۔ ان کے ہاتھ میں طب کی مطبوعہ کتاب "خیر منکھ" تھی۔ کہنے لگے اس پر فارسی میں محشی نے دوسرے اطباء کی بیاضوں سے حواشی لکھے ہیں۔ یہ ایسے طبیب ہیں جن کی کوئی مطبوعہ کتاب میں نے نہیں دیکھی، لیکن اس کتاب کے حاشیے میں ان کے حوالے ملتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ اہم اشاعت ہے۔ اس امر کا ذکر اس کتاب کے اندراج کے ذیل میں آنا چاہیے۔

۱۹۶۵ء کی جنگ

ایک روز بتانے لگے کہ جب ۱۹۶۵ء کی لڑائی میں کھیم کرن فتح ہوا، تو لوگ مال لوٹنے کے لیے جاتے تھے۔ اس وقت ہم باہمت تھے۔ دیکھنے کے لیے وہاں چلے گئے۔ ایک ہندو کے مکان میں کتابیں دیکھیں۔ ان میں ایک کتاب ''آئینہ کھیم کرن'' تھی۔ اس کے چند نسخے اٹھا لیے۔ جب واپس ہوئے، تو راستے میں ایک پاکستانی فوجی نے کہا کہ اس کتاب کی مجھے بھی ضرورت ہے۔ اس کا ایک نسخہ مجھے دے دیں۔ چنانچہ ایک نسخہ اس کو دے دیا۔ باقی نسخوں میں سے دو میں نے رکھ لیے اور دوسرے تقسیم کر دیے۔

حکیم صاحب کا عام لوگوں سے حسن سلوک

حکیم صاحب کے پاس لاہور سے باہر اکثر لوگ ملاقات کے لیے آتے ہیں۔ مثلاً کل ایک صاحب آئے اور کہنے لگے کہ میں جہلم سے ایک کام کے سلسلے میں آیا تھا۔ آپ کو سلام کرنے کے لیے آیا ہوں۔ حکیم صاحب نے کہا، مہربانی۔ کیلے پڑے ہوئے تھے، ان کو بھی کیلے دیے اور کہا کہ کھائیں۔ اس کے بعد وہ صاحب چلے گئے۔ اسی طرح اور بھی کئی لوگ صرف ملاقات کرنے کے لیے آتے ہیں۔ حکیم صاحب ان عام ملنے والوں سے بہت حسن سلوک سے پیش آتے ہیں۔ حکیم صاحب کو مذہبی اعتبار سے مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ مرکزی مجلس رضا کے بانی ہیں۔ اس سلسلے میں لٹریچر شائع کرواتے اور اس کو تقسیم کرتے رہے ہیں۔ اب بھی باذوق حضرات میں بلا قیمت کتابیں تقسیم کرتے ہیں۔ دن بھر چائے، مشروب اور وقت پر کھانے کی صورت میں ان کا لنگر جاری رہتا ہے۔

۲۸۔اکتوبر

ایک طالب علم کی راہنمائی اور مدد

آج پنجاب یونیورسٹی میں ملازمین کی ہڑتال تھی، لیکن حکیم صاحب کے مطب میں فہرست سازی کا کام جاری رہا۔حکیم صاحب نے کل تصوف کی کتابیں الگ کی تھیں۔فہرست میں ان کا اندراج کرتا رہا۔آج کتابوں کے پانچ پیکٹ باندھے۔

آج یونیورسٹی اورینٹل کالج سے ایم۔اے (فارسی) کے ایک طالب علم میرا پتہ لے کر مطب میں آئے۔وہ اپنے تحقیقی مقالے (Thesis) کے سلسلے میں مشورہ کرنا چاہتے تھے۔ظفر شارب کا مرثیہ ''عقل کے مظاہر'' دیکھنا چاہتے تھے۔میں نے ان سے کہا کہ گھر جا کر اس کتاب کو تلاش کروں گا۔طالب علم موصوف نے پنجاب یونیورسٹی لائبریری سے میرے گھر کا ایڈریس بھی لے لیا تھا۔انھوں نے کہا کہ میں آپ کے گھر ملاقات کے لیے آؤں گا تاکہ اپنے مقالے کے بارے میں چند نکات پر بات کر سکوں۔اس کے بعد وہ طالب علم چلے گئے۔

حکیم صاحب سے ان کے موضوع کے بارے میں بات ہوئی۔ان کی تحقیق کا موضوع یہ ہے: ''علامہ اقبال کے خلاف لکھی گئی منظومات کا جائزہ''۔حکیم صاحب نے اس سلسلے میں کئی نام گنوائے۔ان میں ''کلیاتِ طغرائی'' از حکیم فیروز الدین احمد فیروز طغرائی (وفات ۱۹۳۱ء) کا ذکر کیا۔تاج الدین تاج (وفات ۱۹۵۹ء) بھی اقبال کے خلاف لکھتے رہے۔فدا حسین فدؔا صاحب نے بھی اس بارے میں لکھا ہے۔فدؔا صاحب کے فرزند خضر صاحب حکیم صاحب کے مطب میں کام کرتے ہیں۔ان کو حکیم صاحب نے فدا صاحب کی مطبوعہ نظموں کے لیے کہا کہ وہ دستیابی کی صورت میں لے کر آئیں۔حکیم صاحب نے مجھے یہ بھی کہا کہ اس طالب علم سے کہیں کہ مجھے ملیں، ان کو اس سلسلے میں مزید مواد کی نشاندہی کی جائے گی۔

۹۔نومبر

یوم اقبال

آج یوم اقبال کی رخصت ہے۔اس لیے سرکاری طور پر فہرست سازی کا کام بند رہا۔میں گھر سے نابھہ روڈ گیا تا کہ چند کاغذات کی فوٹو کاپی کروائی جا سکے۔وہاں اڑھائی بجے بعد دوپہر فارغ ہوا۔وہاں سے حکیم صاحب کے مطب میں چلا گیا۔دو گھنٹے تک فہرست سازی کا کام کیا۔اس دوران بیالیس عنوانات کا اندراج کیا۔

۱۳۔نومبر

تاریخ پاکستان اور تحریک پاکستان پر کتب

آج ذخیرۂ کتب میں سے تاریخ پاکستان اور تحریک پاکستان کی کتابوں کو موضوع وار الگ الگ کیا۔حکیم صاحب کے ساتھ اس کام میں ہم بھی شریک رہے۔اس طرح ایک گھنٹہ کے قریب یہ کام کیا۔ پہلے تاریخ کی کتابوں کی فہرست سازی شروع کی۔اس کے بعد تاریخ تحریک پاکستان پر کتابوں اور پمفلٹوں کا فہرست میں اندراج کیا جائے گا۔۱۴۔نومبر کو بھی تاریخ کی کتب کا اندراج جاری رکھا۔

۱۵۔نومبر

تاریخ تحریک پاکستان پر کتابچے (پمفلٹ)

آج تاریخ تحریک پاکستان پر کتابوں کا فہرست میں اندراج شروع کیا۔ان میں اچھی خاصی تعداد میں پمفلٹ موجود ہیں۔ان کی نوعیت نوادر کی سی ہے۔یہ اپنی نوعیت اور موضوع کے اعتبار سے بہت اہم ہیں۔ان کی نوعیت تحریک پاکستان کے حوالے سے بنیادی مآخذ (Primary sources) کی ہے،ان کو تحریک پاکستان پر منعقد ہونے والی نمائش میں رکھا جا سکتا ہے تا کہ اس موضوع پر تحقیق کرنے والوں کو

ان کی دستیابی کا علم ہو سکے۔ اس لحاظ سے یہ ذخیرہ منفرد ہے کہ اس میں وقتی (عارضی Fragile) مطبوعہ مواد کو بھی محفوظ کیا گیا ہے۔ یہ صاحب ذخیرہ کی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ نہ صرف حکیم صاحب کی کتاب سے گہری محبت کا غماز ہے بلکہ اس کی اہمیت وافادیت کے بھرپور شعور کا اظہار بھی کرتا ہے۔

چوہدری حبیب احمد مرحوم

آج حکیم صاحب نے چوہدری حبیب احمد مرحوم (۱۹۱۹ء۔۱۹۸۰ء) کے بارے میں بتایا کہ وہ ایک روز میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں نے ایک کتاب لکھی ہے، لیکن اس کو چھپوانے کی بساط نہیں۔ میں نے کہا کہ آپ اس کو چھپوانے کا کام شروع کر دیں۔ اس کے ساتھ ہی اشاعت کے سلسلے میں پانچ سو روپے ان کی خدمت میں پیش کیے۔ میرے کہنے پر ایک ہزار روپے صاحبزادہ میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری نے اس مقصد کے لیے دیے۔ اس طرح انہوں نے کتاب کی اشاعت کا کام شروع کروایا۔ یہ کتاب ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے جناب رفیق احمد نے شائع کروائی۔ اس کتاب کا عنوان ہے: ''علامہ اقبال، قائداعظم، پرویز، مودودی اور تحریک پاکستان''۔ مرحوم وفات سے پہلے اپنی اولاد کو بتا گئے کہ اس سلسلے میں کس کس نے تعاون کیا ہے۔ چنانچہ ان کی وفات کے بعد مرحوم کے فرزند کتاب لے کر میرے پاس آئے تو میں نے کہا کہ اس کی قیمت لے لیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ آپ کی رقم تو پہلے ہی آ چکی ہے۔ اس کتاب کے دو نسخے محترم صاحبزادہ میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری کے لیے بھی دے گئے اور کہا کہ ان کی رقم بھی آ چکی ہے۔ یہ واقعہ سنانے کے بعد حکیم صاحب نے فرمایا کہ چودھری حبیب احمد بہت کام کے انسان تھے۔ ان میں لکھنے کی بہت صلاحیت تھی۔ لیکن افسوس ان کی قدر نہ کی گئی اور ان کی صلاحیتوں سے استفادہ نہ کیا گیا۔ حکیم صاحب نے بتایا کہ چودھری حبیب احمد مرحوم میرے بہت مہربان تھے، جب بھی فیصل آباد سے لاہور آتے، مجھے ضرور مل کر جاتے تھے۔

ہیر (وارث شاہ) کا مطبوعہ نسخہ

آج حکیم صاحب نے ان کتابوں کی طرف اشارہ کیا جو پنجابی زبان میں تھیں اور حکیم صاحب نے ان کو الگ کر کے رکھا ہوا تھا۔ کہنے لگے ان میں ہیر (وارث شاہ) کا ایک ایسا نسخہ ہے جو بہت نادر ہے۔ اس کا پتہ سبط الحسن ضیغم صاحب کو بھی نہ تھا۔ جب میں نے ان سے اس بارے میں بات کی تو ضیغم صاحب نے اس کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔ حکیم صاحب نے مجھے کہا کہ فہرست میں اس کی ندرت کے بارے میں نوٹ دے دینا۔ چنانچہ میں نے اس کا اندراج فہرست میں کر دیا اور آخر میں ضروری نوٹ بھی دے دیا۔ بعد میں (اگلے روز) کہنے لگے کہ اس کتاب کے اندراج کو کاٹ دیں۔ یہ کسی دوست نے اصرار کے ساتھ مانگ لی ہے۔ ان کو دینی ہے۔ اس کی بجائے پنجابی کی کوئی اور کتاب اس شمارہ پر درج کر دیں۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ فہرست کے غیر مطبوعہ مسودے میں منسوخ کیا گیا اندراج پڑھا جا سکتا ہے۔ فہرست میں اس کا شمارہ ۲۶۲۴ ہے۔ اس کی بجائے "باب کرم" از عبدالستار نیازی کا اندراج کر دیا گیا تھا۔ اس مقام پر کاٹے گئے اندراج کو درج کر دیا جاتا ہے تاکہ قارئین کرام کو علم ہو جائے کہ "ہیر" (وارث شاہ) کا وہ کون سا نسخہ تھا جس کی حکیم صاحب نے اتنی تعریف کی تھی۔

وارث شاہ۔ وڈی ہیر۔ لاہور: محمدی کتب خانہ، ۱۹۰۷ء۔ ۲۹۸ص۔ (پ)

اس کتاب کے آخر میں سید وارث شاہ کے حالات درج کیے گئے ہیں۔ یہ نسخہ نہایت اہم اور کمیاب ہے۔ ص ۲۹۷ پر احقر محمد باقر عفا اللہ عنہ بھاٹی دروازہ، لاہور بھی لکھا ہوا ہے۔

۲۰۔نومبر

تحریک پاکستان پر دو اہم کتب

آج قریباً سوا آٹھ بجے صبح مطب پہنچ گیا۔حکیم صاحب سے ملاقات ہوئی۔ فرمانے لگے تحریک پاکستان کے حوالے سے میرے ذخیرے میں دو کتابیں ہیں:ا۔ ہندو مسلم اتحاد پر گاندھی کے نام کھلا خط ۲۔ابلیس کا خطبہ صدارت۔ یہ دونوں کتابیں عزیز الدین بلگرامی کی تصانیف ہیں۔ان کے چھوٹے بھائی کا نام محمد عبدالقدیر تھا۔ یہ ان کے نام سے شائع ہوئی تھیں۔لوگ (پہلی کتاب) کو مولوی عبدالقدیر بدایونی کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔حالانکہ یہ صاحب اس وقت تک کانگرسی تھے اور انہوں نے بریڈلے ہال۔لاہور میں (مولانا) ابوالکلام آزاد (وفات ۱۹۵۸ء) کے ساتھ تقریر کی تھی۔ دوسرا ثبوت ان کی کتابوں کے ناشر جناب مقتدیٰ خان شروانی مرحوم کے وہ خطوط ہیں جن میں ان کے مصنف کا نام عزیز الدین بلگرامی لکھا ہوا ہے۔حکیم صاحب نے بتایا کہ جناب مقتدیٰ خان شروانی کے خطوط میرے پاس محفوظ ہیں۔

۲۲۔نومبر

مولوی عنایت اللہ اثری گجراتی

آج حکیم صاحب نے مولوی عنایت اللہ اثری گجراتی کے بارے میں بتایا کہ وہ بہت صاحب علم اور محقق اسکالر تھے۔انہوں نے بہت سے رسالے لکھے ہیں۔ان میں سے اکثر حکیم صاحب کے ذخیرے میں موجود ہیں۔ایک رسالہ (بعنوان تسفیر الغبس (عن) تفسیر سورۃ عبس) انہوں نے آیت ﴿عَبَسَ وَ تَوَلّٰی﴾ کے متعلق لکھا ہے۔ یہ عربی اور اردو میں ہے۔ اس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ خندہ روئی سے پیش آنے والے تھے، ترش روئی سے نہیں۔ اس

رسالے میں انہوں نے تفسیری لٹریچر میں جو روایات ہیں، ان کا رد پیش کیا ہے اور غالباً یہ پہلی بار ایسا ہوا ہے۔ اس پر علامہ اثری کو خراج تحسین پیش کرنا چاہیے۔ حکیم صاحب کے پاس اس رسالے کے تین نسخے تھے۔ ایک انہوں نے راجا رشید محمود صاحب کو دے دیا ہے اور دو اب بھی ان کے پاس ہیں۔ ان کا اندراج فہرست میں کر دیا ہے۔ یہ رسالہ واقعتاً قابل مطالعہ ہے۔ اس سے تفسیری ادب میں ایک نئی جہت سامنے آئی ہے۔ (۴۴)

دوسرا رسالہ انبیاء کی معایش (معاش) کے بارے میں ہے جس میں اثری صاحب نے حدیث:

"نَحْنُ مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ لَانَرِثُ وَ لَانُورِثُ مَاتَرَكْنَا صَدَقَةٌ"۔

"ہم گروہ انبیاء ہیں، ہم کسی کے وارث نہیں ہوتے اور نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے اور جو ہم نے چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔"

کا رد پیش کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ حدیث صحاح ستہ کے علاوہ کسی اور مجموعۂ حدیث میں بھی موجود نہیں ہے۔ تاریخ میں شاہ ولی اللہ سے لے کر اب تک جن لوگوں نے اس حدیث کو پیش کیا ہے، ان سب کا رد اس رسالے میں کیا گیا ہے۔ ایک اہل حدیث عالم کی طرف سے ایسے رسالوں کا لکھا جانا ایک عجوبے سے کم بات نہیں۔ انہوں نے تحقیق کو ایک نئی جہت سے روشناس کرایا ہے۔ یہاں تک کہ اس رسالے میں شیعہ علماء پر بھی گرفت کی گئی ہے۔ یہ رسالہ بھی قابل مطالعہ ہے۔ (۴۵)

مولوی عنایت اللہ اثری گجراتی کی ملاقاتیں سید شریف احمد شرافت نوشاہی مرحوم (وفات ۱۹۸۳ء) سے گجرات میں ہوتی تھیں۔ دونوں کا جلد ساز ایک تھا۔ ایک بار اس جلد ساز کے پاس ایک قلمی نسخہ جلد بندی کے لیے آیا۔ اس کو اس انداز سے لکھا گیا تھا کہ اگر اس کو ایک طرف سے پڑھیں تو تفسیر (کی کتاب) معلوم ہوتی

تھی، اگر دوسری طرف سے رخ بدل کر پڑھیں تو حدیث، اور اگر تیسرے زاویے سے پڑھیں تو فقہ کی کتاب معلوم ہوتی تھی۔ شرافت نوشاہی صاحب نے جب یہ کتاب اثری صاحب کو دکھائی تو دیکھ کر (از راہ تفنن طبع) کہنے لگے کہ اگر اس کتاب کا لکھنے والا نبوت کا دعویٰ کرتا تو کوئی بات بھی تھی، مرزا کے پاس تو کوئی ایسی بات نہ تھی، تب بھی اس نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ یہ باتیں حکیم صاحب نے آج مطب کے لائبریری والے حصے (فسٹ فلور) میں آ کر کیں۔

۲۴۔ نومبر

میاں محمد دین کلیم مرحوم کا چہلم

آج جمعہ ہے۔ رخصت کی وجہ سے فہرست سازی کا کام بند رہا۔ آج مؤرخ لاہور میاں محمد دین کلیم مرحوم کا چہلم ہے۔ اس میں شرکت کے لیے میں تقریباً اڑھائی بجے بعد دوپہر ان کی رہائش گاہ ۱۶۱۔ برنی سٹریٹ، گڑھی شاہو، لاہور پہنچا۔ ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی میں شرکت کی۔ بعد میں ختم پڑھا گیا۔ ختم کے بعد وہاں پر حکیم محمد موسیٰ امرتسری صاحب سے ملاقات ہوئی۔ صاحبزادہ میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری بھی وہاں آ گئے۔ انہوں نے بھی فاتحہ خوانی کی۔ ان سے بھی ملاقات ہوئی۔ بعد میں ان دونوں نے کلیم صاحب کے بڑے بیٹے میاں محمد اقبال صاحب سے جانے کے لیے اجازت لے لی۔ میں نے بھی ان سے اجازت لے لی۔ حکیم صاحب اور صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری کے ساتھ ہی مرحوم کی رہائش گاہ سے روانہ ہوا۔ حکیم صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کو سواری کہاں سے ملے گی؟ میں نے پوچھا آپ کہاں جائیں گے؟ انہوں نے بتایا کہ میں میاں صاحب کے ساتھ وسن پورہ جاؤں گا۔ میں نے کہا مجھے آپ اسٹیشن پر اتار دیں۔ وہاں سے مجھے ویگن مل جائے گی۔ چنانچہ میں ان کے ساتھ میاں صاحب کی کار میں سوار ہو گیا۔ انہوں نے مجھے

اسٹیشن کے قریب بوہڑ والے چوک پر اتار دیا۔ وہاں سے میں باآسانی ویگن کے ذریعے گھر پہنچ گیا۔ اس سفر کے دوران میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری نے کہا کہ وہ حضرت حاجی حسین صاحب (وفات ۱۶۶۳ء) کے بارے میں اس حوالے کی فوٹو کاپی چاہتے ہیں جو میں نے ان کو مطب میں پہلی ملاقات میں بتایا تھا اور اس سلسلے میں ''فرحت الناظرین'' کتاب دکھائی تھی۔ وہ اس کتاب کے متعلقہ حصے کی فوٹو کاپی چاہتے ہیں۔

۲۵۔ نومبر

نعت اور درود وسلام کی کتب

آج میں صبح آٹھ بج کر دس منٹ پر حکیم صاحب کے مطب پہنچ گیا۔ فہرست سازی کا کام شروع کر دیا گیا۔ آج شکیل احمد نہ آئے۔ ان کے بھائی سعودی عرب میں ایک حادثے میں فوت ہو گئے ہیں۔ یہ بات آج صبح جناب محمد صدیق (لائبریری اٹنڈنٹ) نے گھر آ مجھے بتائی تھی (۲۶)۔ آج مسعود الحسن بٹ صاحب بھی قریباً ساڑھے نو بجے صبح آئے۔ انہوں نے آتے ہی کتابوں پر فہرست کے نمبر لکھنے شروع کر دیے۔ میں ان کے آنے سے پہلے فہرست کے دو صفحے لکھ چکا تھا۔ آج نعت کے بارے میں کتب کا فہرست میں اندراج کیا۔ درود وسلام کے متعلق بھی کتابوں کو درج کیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر کتب کے ایک حصے کا اندراج کیا۔ ابھی اس آخری موضوع پر چند کتب باقی ہیں۔ ان کو ان شاء اللہ کل صبح فہرست میں درج کیا جائے گا۔ آج فضائل درود پر چند اہم کتب کو فہرست میں درج کیا۔ اس موضوع پر راجا رشید محمود صاحب کام کر رہے ہیں۔ ان کو ان کتب کے بارے میں بتایا جائے گا۔

آج جب کتابوں کی گنتی کی، تو کل جلدوں کی تعداد قریباً ۲۸۱۲ بنی۔ عنوانات یعنی کتابوں کی تعداد زیادہ ہے۔ چند عنوان ایسے ہیں جو ایک سے زیادہ جلدوں میں ہیں۔ ایسی کتابیں بھی اس ذخیرے میں موجود ہیں جن کے دو دو نسخے دستیاب ہیں۔

ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ مرحوم اور علامہ آسی مرحوم

آج حکیم صاحب نے ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ مرحوم (وفات ۱۹۷۷ء) کے بارے میں بتایا کہ یہ امرتسر کے رہنے والے تھے۔ اپنی وفات سے ایک سال پہلے میرے پاس آئے اور قریب بیٹھ کر اپنے کوٹ کی جیب سے ایک لفافہ نکالا اور مجھے دیتے ہوئے کہا کہ میں آج یہ لفافہ آپ کو دینے کے لیے آیا ہوں۔ یہ خط علامہ آسی مرحوم امرتسری کا عربی زبان میں ہے جو انہوں نے مجھے انگلستان اس وقت بھیجا تھا جب میں وہاں پر پی ایچ۔ ڈی (عربی) کے سلسلے میں گیا ہوا تھا۔ میں نے کہا کہ میں اس کی فوٹو کاپی کروالیتا ہوں، اصل آپ رکھ لیں۔ انہوں نے کہا نہیں، آپ اس کو رکھیں۔ حکیم صاحب نے اس خط کی فوٹو کاپی آج کروائی ہے اور اس کو جلد کروا کر اپنے ذخیرے میں رکھنا چاہتے ہیں تا کہ یہ محفوظ ہو جائے۔ اس فوٹو کاپی کو میں (راقم السطور) نے بھی دیکھا۔ یہ مکتوب نہایت عمدہ خط میں لکھا ہوا ہے۔ کئی صفحات (تیرہ) پر مشتمل ہے۔ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔

حکیم صاحب نے یہ بھی بتایا کہ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ صاحب جب گورنمنٹ کالج (لاہور) میں پڑھاتے تھے، اس وقت بھی جب امرتسر جاتے تھے تو علامہ آسی سے استفادہ کرتے تھے۔ ان کو عربی پڑھنے کا بہت زیادہ شوق تھا۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے علامہ آسی مرحوم کے بارے میں یہ بات بھی بتائی کہ وہ چاہتے تھے کہ اپنے شاگردوں کو ہر چیز بتا دیں تا کہ وہ علم و فضل میں واقعاً یگانہ ہو جائیں۔ وہ کوئی علمی بات چھپاتے نہیں تھے۔ ان کی خواہش ہوا کرتی تھی کہ ان کے شاگرد ہر لحاظ سے کامل ہو جائیں۔

کسی نے علامہ آسی سے کہا کہ آپ عربی کے اتنے بڑے عالم ہیں۔ آپ ساری عمر امرتسر میں کالج میں پڑھاتے رہے۔ اگر آپ لاہور جیسے مرکز میں ہوتے، تو بہت زیادہ شہرت حاصل کرتے۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ میں نے عربی اس

مقصد کے لیے نہیں پڑھی تھی، بلکہ قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے پڑھی تھی۔اس سے ان کی علوم دینیہ سے محبت کا اظہار ہوتا ہے۔اس کے علاوہ ان کی طبیعت میں موجود قناعت پسندی کی صفت بھی نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے۔حکیم محمد موسیٰ امرتسری بھی علامہ آسی سے پڑھتے رہے۔حکیم صاحب کے بڑے بھائی حکیم غلام قادر مرحوم نے ایک رسالہ علامہ آسی صاحب کے بارے میں لکھا تھا جوان کے ذخیرے میں موجود ہے۔(۲۷)

۲۷۔نومبر

مطب میں سید نور محمد قادری اور نواب نظامی سے ملاقات

آج بھی فہرست سازی کا کام جاری رہااور ۷۷ کتابوں کا اندراج فہرست میں کیا۔آج سید نور محمد قادری (وفات ۱۹۹۶ء) سے حکیم صاحب کے مطب میں ملاقات ہوئی۔ان سے آدھ پون گھنٹہ تک باتیں ہوتی رہیں۔آج نواب نظامی صاحب (صحافی) بھی مطب آئے۔ان سے بھی گفتگو ہوئی۔جناب اعجاز احمد (لائبریری اٹنڈنٹ) پنجاب یونیورسٹی لائبریری سے نصیر احمد خان صاحب اور محمد ریاض احمد خان صاحب (۲۸) کا پیغام لے کر آئے کہ میرے والد صاحب (حکیم سید بشیر احمد رِضوی) کے بازو میں اعصابی تکلیف ہے۔

جناب شکیل احمد تین روز (از ۲۵ تا ۲۷ نومبر) سے نہیں آرہے۔ان کے بھائی کا سعودی عرب میں ایک حادثہ میں انتقال ہو گیا ہے۔وہ اس سلسلہ میں سیالکوٹ گئے ہوئے ہیں۔

آج پروفیسر محمد اقبال مجددی صاحب سے حکیم صاحب کے مطب میں ملاقات ہوئی۔انہوں نے فہرست سازی کی رفتار کے بارے میں پوچھا۔میں نے ان کو بتایا کہ کام پوری رفتار سے جاری ہے۔

۳۰۔نومبر

والدصاحب (حکیم سید بشیر احمد رِضوری) کی علالت

حکیم صاحب سے میں نے والد صاحب کے بازو میں اعصابی تکلیف کی بات غالباً ۲۷۔نومبر کو کی تھی۔انہوں نے ایک جوشاندہ صبح نہار اور شب کو پینے کے لیے تجویز کیا اور درج ذیل نسخہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیا۔

هو الشافی

اسطوخودوس۔مویز منقیٰ۔سونف

۳ماشہ ۵دانہ ۳ماشہ

جوش دادہ بنوشند۔صبح نہار وشب۔(جوش دے کر پی لیا کریں۔صبح نہار اور رات کو)

حکیم صاحب نے بتایا کہ یہ مقوی اعصاب ہے۔اعصاب کی سختی کو ختم کرتا ہے۔خون کے سدے دور کرتا ہے۔پھر حکیم صاحب نے ایک مریض کا واقعہ سنایا جس کو چارپائی پر لٹا کر مطب میں لایا گیا تھا۔اس کو بھی اعصابی تکلیف تھی۔اس کا علاج کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا عطا کی۔فرمانے لگے یہ جوشاندہ اعصاب کی طاقت کے لیے بہت مفید ہے۔

میں تین روز (۲۹نومبر تا یکم دسمبر) رخصت پر رہا۔والد صاحب کی عیادت لے لیے چک نمبر ۱۳۲گ۔ب (گوگیرہ برانچ) ضلع فیصل آباد چلا گیا تھا۔یکم دسمبر کو واپس لاہور آیا۔(۲۹)

۵۔ دسمبر

علامہ محمد عالم آسی مرحوم (المتوفی ۱۹۴۴ء)

آج ۱۳۱ کتب فہرست میں درج کیں۔ پہلے متفرق کتب اور بعد میں پنجابی کی کتابوں کا اندراج کیا۔ آج حکیم صاحب نے بتایا کہ علامہ آسی رحمۃ اللہ علیہ کو ''استاذ الکل'' کہا جاتا ہے۔ وہ بہت سے فنون میں ماہر تھے۔ وہ ۱۹۰۸ء کے قریب امرتسر میں وارد ہوئے۔ بہت شہرہ ہوا کہ ایک بہت بڑا عالم یہاں آیا ہے۔ والد صاحب مرحوم (حکیم فقیر محمد چشتی نظامی، المتوفی ۲۲۔ اپریل ۱۹۵۲ء) نے ''قانون شیخ الرئیس'' کے بعض مشکل مقامات ان سے سمجھے تھے۔ میں ان کا آخری شاگرد (آخر التلامذۃ) ہوں۔ وہ بڑے خوددار انسان تھے، کسی امیر یا غریب کے گھر سے کھانا کھانا پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کی وفات سے قریباً تین چار روز قبل جب میں نے کہا کہ میں کھانا لے کر آؤں، تو کہنے لگے کہ میرے سرہانے کے نیچے روپے رکھے ہیں، کھانا لے آیا کرو اور حساب رکھو۔ میں نے کہا اسی طرح کروں گا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ انکار کی صورت میں میری اس پیشکش کو قبول نہیں کریں گے۔ تین چار روز کے بعد (۱۹۴۴ء میں) ان کا انتقال ہو گیا۔ چنانچہ میں نے وہ دس روپے ان کے بھائی (غالباً حکیم محبوب عالم مرحوم) کو دے دیے جن کی اولاد یہاں پاکستان میں موجود ہے۔ علامہ آسی لاولد تھے۔ ان کی اہلیہ مرحومہ پہلے وفات پا گئی تھیں۔

حکیم صاحب نے بتایا کہ ان کے لکھے ہوئے مسودات ان کے ورثاء (مقیم راگھو سیداں براہ کولو تارڑ) تحصیل حافظ آباد، ضلع گوجرانوالہ) کے پاس محفوظ ہیں۔ (۳۰)

عربی کی کتاب: ''الكاوية على الغاوية'' کا مسودہ محفوظ ہے۔ اس کا اردو ترجمہ دو جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔ انہوں نے ریٹائرمنٹ کے بعد قرآن پاک کی

تفسیر لکھنا شروع کی تھی، وہ بھی محفوظ ہے۔ میں نے کہا کہ ان پر تو شعبہ عربی کی طرف سے پی ایچ۔ ڈی (Ph.D.) کا کام ہو سکتا ہے۔ حکیم صاحب نے کہا کہ اگر کوئی طالب علم اس طرح کا کام کرنے کے لیے تیار ہو جائے، تو اس کے ساتھ علمی تعاون کیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر پیر محمد حسن (م ۱۹۹۹ء) اسلام آباد میں ہیں۔ وہ کافی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ وہ علامہ آسی مرحوم کے شاگرد ہیں۔ میں نے کہا کہ اس سلسلے میں کوشش کی جائے گی کہ کوئی عربی کے طالب علم ان پر تحقیقی موضوع لے لیں اور پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لیے کام کریں۔ (۳۱)

حکیم صاحب نے بتایا کہ علامہ آسی مرحوم پہلے سکول میں پڑھاتے تھے، بعد میں جب اس سکول کو ایم اے او کالج کا درجہ دے دیا گیا تو وہ کالج میں عربی کے پروفیسر (استاذ) ہو گئے تھے۔ اس سے پہلے امرتسر میں کوئی کالج نہیں تھا۔

حکیم صاحب نے یہ بھی بتایا کہ جب امرتسر میں مسجد خیر دین کی بنیاد رکھی جانے لگی، تو بعض لوگوں نے کہا کہ اس کا سنگ بنیاد علامہ آسی لکھیں (کتابت کریں) جب لوگ ان کے پاس گئے، تو انہوں نے کہا کیا میں کتابت کرتا ہوں؟ لوگ ان کے مزاج کو جانتے تھے، واپس آ گئے۔ اگلے روز وہ خود ہی قلم لے کر آ گئے اور بالخصوص مسجد کا قطعہ تاریخ انہوں نے لکھا: ''جزاك الله خيرا'' لکھا۔ اس طرح وہ کتابت کے بھی ماہر تھے۔ انہوں نے اپنی کئی کتابوں کی کتابت خود کی ہوئی ہے۔

۱۴۔ دسمبر

شیخ محمد اسماعیل پانی پتی اور مولوی محمد شفیع کا مکالمہ

آج ۱۰۱ کتب کا اندراج فہرست میں کیا۔ آج حکیم صاحب نے شیخ محمد اسماعیل پانی پتی (وفات ۱۹۷۲ء) کا لطیفہ سنایا کہ مولوی محمد شفیع مرحوم (وفات ۱۹۶۳ء) سابق چیئرمین، شعبہ اردو و دائرہ معارف اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور، نے شیخ صاحب کو

بلایا کہ اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے لیے ''پانی پت'' کے متعلق مقالہ لکھ دیں۔ مآخذ و مصادر زیر بحث آئے۔ شیخ صاحب نے کتب بتائیں۔ ان میں دو کتابیں ایسی تھیں جن کے بارے میں مولوی محمد شفیع صاحب نے کہا کہ ان کے بارے میں کبھی سنا نہیں اور نہ ہی مجھے معلوم ہے۔ اس پر شیخ صاحب نے کہ کوئی ضروری ہے کہ آپ کو ہر کتاب کا علم ہو۔ مولوی محمد شفیع صاحب نے کہا کہ یہ کیا انداز تکلم ہے؟ شیخ صاحب کو جلد ہی غصہ آ جاتا تھا۔ انہوں نے اپنے کاغذات سمیٹے اور اٹھتے ہوئے کہا کہ میں تو آپ کو پڑھا لکھا سمجھتا تھا۔ یہ کہہ کر شیخ صاحب واپس آ گئے۔ یہ بات شیخ صاحب نے حکیم صاحب کو خود بتائی تھی۔

۱۶۔ دسمبر

سردی اور سر درد

آج ۸ بج کر ۱۰ منٹ پر حکیم صاحب کے مطب پہنچ گیا۔ صبح سے ہی سر میں درد تھا۔ فہرست سازی کا کام شروع کر دیا۔ درد کی تکلیف کم نہ ہوئی۔ مسعود الحسن بٹ صاحب قریباً سوا نو بجے آ گئے۔ ان سے میں نے کہا کہ بازار جائیں اور کسی میڈیکل سٹور سے پانستان (Ponston) کی دو گولیاں لا دیں۔ وہ لے آئے۔ ان کو کھانے کے باوجود درد میں افاقہ نہ ہوا۔ سردی بھی کافی تھی۔ اس کا احساس بھی ہو رہا تھا۔ آخر گیارہ بجے قبل دوپہر کے قریب پریشانی کے عالم میں فہرست سازی کا کام چھوڑ کر نیچے مطب میں آ گیا۔ اور حکیم صاحب سے کہا کہ آج طبیعت خراب ہے۔ انہوں نے سبب دریافت کیا تو بتایا کہ یہ تکلیف ہے اور ساتھ ہی میں نے چائے کے لیے کہا۔ حکیم صاحب نے زیر تربیت حکیم شہاب اجمل صاحب سے کہا کہ ان کو فلاں دوائی جاروب ملا کر دیں اور بابا جی (باز خان) سے چائے لانے کے لیے کہا۔ دوائی کی پڑیا میں نے کھالی اور چائے بھی پی لی۔ سردی کا ذکر ہوا تو حکیم صاحب نے کہا کہ انگیٹھی

میں کوئلے روشن کروا کر اوپر رکھوا دیتا ہوں۔ میں نے کتابوں کے پیش نظر کہا کہ احتیاط کا تقاضا ہے کہ لائبریری والے حصے میں کوئلے روشن کروا کر نہ رکھیں جائیں۔ حکیم صاحب نے کہا کہ ذرا ہٹا کر محفوظ مقام پر رکھ دیے جائیں گے۔ گرمی تو آتی رہے گی۔ چنانچہ بابا جی (باز خاں) نے حکیم صاحب کے کہنے پر کوئلے جلائے۔ جب روشن ہو گئے تو اوپر لائبریری والے حصے میں احتیاط کے ساتھ ایک محفوظ مقام پر رکھ دیے (۳۲)۔ ان حالات میں فہرست سازی کا کام دوبارہ شروع کیا۔ بحمد اللہ طبیعت پہلے سے بہتر ہوتی گئی۔ ڈیڑھ بجے بعد دوپہر تک ۱۱۳ کتب کا اندراج فہرست میں کیا۔ میں قریباً سوا دو بجے مطب سے گھر کے لیے روانہ ہوا۔

مولوی عبدالکریم مباہلہ

آج فہرست سازی کے دوران مباہلہ بکڈپو امرتسر کی شائع کی گئی ایک کتاب (رسالے) کے مصنف کے بارے میں حکیم صاحب سے استفسار کیا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ رسالے جو مباہلہ بکڈپو امرتسر سے شائع ہوئے ہیں۔ اگر ان پر مصنف کا نام صراحت سے نہیں دیا گیا تو یہ مولوی عبدالکریم مباہلہ کے لکھے ہوئے ہیں۔ یہ پہلے قادیانی تھے۔ قادیان (ضلع گورداسپور) میں مبلغ تھے۔ مناظرے بھی کرتے رہے۔ حکیم صاحب کے بڑے بھائی حکیم غلام قادر مرحوم نے ان کو بتایا تھا کہ مولوی مباہلہ کا مناظرہ مولوی ثناء اللہ امرتسری سے ہوا تھا۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد (وفات ۱۹۶۵ء) سے اختلاف کی وجہ سے بدظن ہو گئے اور تائب ہو گئے۔

قادیانیوں نے ان کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس بات کا علم عبدالمنان عمر، جو کہ ان کے خلیفہ اول مولوی نور دین کے فرزند ہیں، کو ہو گیا۔ انہوں نے بازار سے گزرتے ہوئے اشارہ سے ان (مولوی عبدالکریم مباہلہ) کو بتا دیا کہ تم کو قتل کر دیا جائے گا۔ انہوں نے اپنے گھر کے عقبی حصہ میں سوراخ کیا۔ وہاں سے نکل کر ایک سکھ کے مکان میں پناہ لے لی۔ حسب پروگرام مولوی مباہلہ کے مکان کو آگ لگا دی

گئی۔ لیکن افرادِ خانہ تو پہلے ہی وہاں سے نکل گئے تھے۔ اس طرح مولوی عبدالکریم مباہلہ جلنے سے بچ گئے۔ بعد میں یہ امرتسر آ گئے۔ وہاں پر اپنا کاروبار کرتے رہے اور مرزائیت کے خلاف لکھتے بھی رہے۔ یہ واقعہ ''مولوی مباہلہ'' نے خود حکیم صاحب کو یہاں لاہور میں بتایا تھا۔ حکیم صاحب نے کہا کہ اگر کوئی مولوی عبدالکریم مباہلہ پر تحقیقی کام کرے تو ردِ مرزائیت خود ہی ہو جاتا ہے۔

صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی سے کتابوں کی وصولی

آج حکیم صاحب نے یہ بھی بتایا کہ کل صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری آئے تھے۔ ان سے میں نے ڈاکٹر ساجدہ علوی صاحبہ کے کیے کتابوں کا کہا ہے۔ میاں صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ ڈاکٹر صاحبہ کے لئے شرقپور سے کتابیں تین چار روز تک آپ (حکیم صاحب) کے پاس پہنچ جائیں گی۔ ڈاکٹر صاحبہ مطب سے کتابیں لے لیں۔ (۳۳)

کتاب ''سید احمد بریلوی کے فسانۂ جہاد کی حقیقت'' کے دو نسخے

آج حکیم صاحب نے بتایا کہ میں نے گجرات خط لکھا تھا۔ وہاں سے سید نور محمد قادری (وفات ۱۹۹۶ء) کی کتاب ''سید احمد بریلوی کے فسانۂ جہاد کی حقیقت'' شائع کردہ مرکزی مجلس رضا، لاہور، کے دو نسخے وصول ہو گئے ہیں۔ ایک آپ (راقم السطور) رکھ لیں اور دوسرا ڈاکٹر ساجدہ علوی صاحبہ کے لیے ہے۔ چنانچہ آج میں جب فہرست سازی کے کام کے بعد مطب سے روانہ ہونے لگا، تو حکیم صاحب نے اس کتاب کا ایک نسخہ مجھے پکڑاتے ہوئے کہا کہ یہ آپ کی نذر ہے۔

رسالہ عرفات، لاہور کا تازہ شمارہ (نومبر۔دسمبر ۱۹۸۹ء)

آج رسالہ عرفات، لاہور کا نومبر۔ دسمبر ۱۹۸۹ء کا شمارہ حکیم صاحب نے جلد کروا کر اوپر لائبریری والے حصے میں بھجوایا اور لانے والے نے بتایا کہ اس میں شامل مضمون: ''محمد دین کلیم مرحوم، مؤرخ لاہور'' میں آپ (راقم السطور) کا نام بھی ان

میں شامل ہے جن کے نام میاں صاحب مرحوم (میاں محمد دین کلیم) کے حلقۂ تعارف کے سلسلے میں لکھے گئے ہیں۔ اس رسالے میں میاں صاحب مرحوم کا ایک مبسوط مضمون: ''لاہور کے مفسرین'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اس کے آخر میں میاں محمد دین کلیم، مؤرخ لاہور کے حالات بھی شائع ہوئے ہیں۔

۲۴۔ دسمبر

ذخیرۂ کتب حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی لائبریری میں منتقلی

آج حکیم صاحب کے مطب میں دو گھنٹے فہرست سازی کا کام کیا۔ کتابوں کے ۲۶۸ پیکٹ تیار ہوئے تھے۔ کتابوں کی لائبریری میں منتقلی کے لیے کافی تعداد میں عملہ مطب میں پہنچ چکا تھا۔ دو ویگنیں منگوائی گئیں۔ متعلقہ عملہ نے ان میں کتابوں کے پیکٹ رکھنے شروع کر دیے۔ کتابوں کی کل تعداد ۵۳۲۴ ہے جن کا اندراج فہرست میں ہو چکا ہے۔ فہرست کے صفحات کی تعداد ۴۸۵ ہے۔ مطب کے باہر کھڑی جب دونوں ویگنیں کتابوں سے بھر گئیں اور وہ حرکت کرنے کے لیے تیار تھیں۔ اس وقت مطب میں پروفیسر محمد اقبال مجددی صاحب اور پروفیسر محمد صدیق صاحب، اسلامیہ کالج سول لائنز، لاہور بھی موجود تھے۔ حکیم صاحب اور ان دو دانشوروں نے ہمیں رخصت کیا۔ میں نے حکیم صاحب کا اس عطیہ کے لیے یونیورسٹی کی جانب سے بہت شکریہ ادا کیا۔ اس پر محمد اقبال مجددی صاحب نے کہا کہ پوری پاکستانی قوم حکیم صاحب کی ممنون ہے کہ انہوں نے اپنا کتب خانہ قوم کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے مجھے یہ بھی کہا کہ اس فہرست کا اشاریہ ضرور تیار کریں اور یہ فہرست ان شاء اللہ شائع ہوگی۔ پروفیسر محمد صدیق صاحب نے کہا کہ اس طرح کے کام درویش ہی کر سکتے ہیں۔ حکیم صاحب کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے جو کم سے کم یہ کہہ رہے ہوں کہ زندگی بھر کا قیمتی اثاثہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے حوالے کر رہا ہوں۔ الفاظ ان تاثرات کی عکاسی اور ترجمانی کرنے سے قاصر ہیں۔

جب دونوں ویگنیں پنجاب یونیورسٹی کی طرف روانہ ہوئیں تو محمد ارشد صاحب جو حکیم صاحب کے مطب میں کام کرتے ہیں، بھی ہمارے ہمراہ لائبریری دیکھنے کے لیے آئے۔ قریباً گیارہ بجے قبل دوپہر یہ دو ویگنیں ذخیرۂ کتب لے کر لائبریری پہنچ گئیں۔ اس گراں بہا اور بیش قیمت ذخیرے کو لائبریری کے اندر اور ینٹل سیکشن میں منتقل کر دیا گیا۔ بعد میں محمد ارشد صاحب، مسعود الحسن بٹ صاحب کے ہمراہ واپس چلے گئے۔

۳۰۔ اگست ۱۹۹۰ء

مولوی ابراہیم علی چشتی مرحوم

آج حکیم صاحب کے مطب گیا۔ قریباً دو بجے بعد دوپہر کا وقت تھا۔ مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں۔ آج حکیم صاحب نے بہت معلومات افزا باتیں کیں۔

کہنے لگے چند کتابیں اور گھر سے ملی ہیں۔ وہ بھی اپنے ذخیرے کے لیے بھجوا دوں گا۔ ان میں سے ایک کتاب پر مولانا عبدالستار نیازی (وفات ۲۰۰۱ء) اور م۔ش (صحافی وفات ۱۹۸۳ء) کا نام لکھا ہوا ہے، لیکن یہ کتاب مولوی ابراہیم علی چشتی (وفات ۱۹۶۸ء) کی ہے۔ کیا اس سلسلے میں اس کتاب پر نوٹ لکھ دوں۔ میں نے کہا لکھ دیں، تاکہ ریکارڈ ہو جائے اور بعد میں تحقیق کرنے والوں کے لیے اصل صورت حال سے واقف ہونے میں آسانی رہے(۳۴)۔ کہنے لگے ایک قصوری صاحب ہیں وہ تاریخ آرائیاں پر کام کر رہے ہیں۔ میں نے ان کے سامنے یہ بات کہہ دی۔ انہوں نے جا کر م۔ش سے بھی کہہ دی۔ وہ کہنے لگے، ہاں وہ ٹھیک کہتے ہیں۔ وہ کتاب ہماری لکھی ہوئی نہیں، بلکہ مولوی ابراہیم علی چشتی مرحوم کی ہے۔ گویا قصوری صاحب اس بات کے گواہ ہیں۔ اس کے بعد حکیم صاحب نے کہا کہ مولوی ابراہیم علی چشتی اور ان کے معاصرین پر تحقیقی کام ہونا چاہیے۔ ابھی کچھ لوگ باقی ہیں

جن سے معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ اس طرح تاریخ محفوظ ہو جائے گی۔

حکیم صاحب نے ڈاکٹر گوہر نوشاہی صاحب کے مقالے: ''لاہور کے چشتی خاندان کی اردو خدمات'' کی بات کی کہ اردو کے حوالے سے تو کام ہو گیا ہے۔ دوسرے شعبوں میں بھی کام ہونا چاہیے۔

بعد میں، میں نے مولوی ابراہیم علی چشتی مرحوم کا ایک واقعہ سنایا کہ ایک بار وہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں آئے۔ ایک پرانے اہلکار کو لے کر لائبریری کے اورئینٹل سیکشن میں آ گئے۔ میں اس سیکشن میں اپنی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہمارے رفیق کار چوہدری غلام محمد صاحب نے کہا کہ یہ ہمارے شاہ صاحب ہیں، ان سے اپنے استفسار کے بارے میں پوچھ لیں۔ انہوں نے بیٹھنے سے پہلے ہی کہا: کیا ان سے بہتر کوئی آدمی نہیں مل سکتا؟ میں نے کہا: ''تشریف رکھیں''۔ وہ بیٹھ گئے۔ انہوں نے اپنے استفسار کے بارے میں بات کی۔ میں نے کہا: ''آپ کی سب مطلوبہ معلومات ایک ہی کتاب سے مل جائیں گی۔'' کتاب (''الاعلام'' قاموس تراجم از الزرکلی) ان کو دکھائی۔ وہ بہت حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ مجھے تو اس کے بارے میں علم ہی نہیں تھا۔ اس کے بعد وہ کافی دیر تک مجھ سے ذاتی سوالات پوچھتے رہے: آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ کتنی سروس ہو گئی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

اس پر حکیم صاحب نے کہا کہ وہ تو اپنی پہلی بات پر معافی بھی مانگ لیا کرتے تھے۔ کہنے لگے کہ میں ان کو ملنے کے لیے گیا۔ چشتی صاحب نے کہا کہ آنے سے پہلے وقت مقرر کیوں نہیں کیا؟ میں نے کہا: ''اگر مجھے آپ کے اس دستور اور معمول کا علم ہوتا، تو ضرور ایسا ہی کرتا''۔ باتوں باتوں میں پیر غلام دستگیر نامی کا نام آ گیا۔ کہنے لگے: کیا آپ نامی صاحب کو جانتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں، وہ آٹھ دس سال تک ہر روز مجھے ملنے کے لیے آتے رہے بشرطیکہ لاہور میں ہوں۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ نامی صاحب تو میرے والد صاحب مولوی محرم علی چشتی کے

ملنے والے تھے۔ میں اپنے والد کے دوستوں سے ملنے والوں کا بھی احترام کرتا ہوں۔

مولوی محرم علی چشتی مرحوم

حکیم صاحب نے بتایا کہ ان کے والد مولوی محرم علی چشتی (وفات ۱۹۲۱ء) ایک بڑے وکیل اور معروف سیاست دان تھے۔ آپ نے ''مولا بخش'' کے بارے میں ان کا ایک لطیفہ بھی سنایا کہ وہ شاید کشمیر کی طرف سیر کے لیے گئے ہوئے تھے۔ جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے وہاں ایک انگریز خاندان بھی آ گیا۔ انہوں نے مولوی صاحب سے کہا کہ آپ اس جگہ کو خالی کر دیں۔ مولوی صاحب نے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر تم انگریز ہو تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ میں بھی پنجاب کونسل کا ممبر ہوں، ملک کا ایک معروف وکیل اور سیاست دان ہوں۔

جب رات ہوئی تو وہ انگریز بلند آواز سے خراٹے لینے لگا۔ مولوی صاحب تک بھی اس کی آواز جاتی تھی۔ آخر وہ تنگ ہو کر اس کے کمرے کے دروازے کے قریب آ گئے اور اونچی اونچی آواز سے ورد کرنے لگے۔ اس سے وہ انگریز بہت تنگ ہوا اور رات سو نہ سکا۔ صبح جب ناشتے کی میز پر وہ انگریز اور اس کا خاندان آیا، تو مولوی صاحب بھی اپنے موٹے عصا کے ساتھ آ کر بیٹھ گئے اور اس طرح اس عصا کو رکھا کہ جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ اس انگریز نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ ''مولا بخش'' ہے۔ اس انگریز کی بیوی نے کہا کہ میں اس انگریز کے ساتھ ایک لمبی مدت سے رہ رہی ہوں۔ پہلی بار اس کو ایک ایسا آدمی ملا ہے جس نے اس کو بھی آج رات سونے نہیں دیا۔

حکیم صاحب نے بتایا کہ امیر بہاولپور اور سر شہاب الدین (وفات ۱۹۴۹ء) کا مقدمہ چلنے لگا۔ امیر نے مولوی صاحب سے کہا کہ آپ اس مقدمہ میں میرے وکیل بن جائیں۔ انہوں نے اس خیال سے کہ سر شہاب الدین میرا شاگرد رہا ہے، انکار کر

دیا۔ جب کیس چلنے لگا تو عدالت سر شہاب الدین کے وکیل کو کرسی پیش کرتی اور امیر بہاولپور کے وکیل کو کھڑا رہنا پڑتا۔ اس طرز عمل سے امیر نے بہت خفت محسوس کی۔ اسی دوران سر شہاب الدین نے کسی محفل میں کہہ دیا کہ مولوی صاحب کو چاہیے تھا کہ امیر بہاولپور کا مقدمہ لے لیتے۔ جب یہ بات مولوی صاحب کو معلوم ہوئی تو وہ ان کے پاس گئے اور کہا کہ تم نے یہ بات کہی ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، میں نے کہی ہے۔ امیر بہاولپور نے دوبارہ آپ سے رابطہ قائم کیا تو آپ نے کہا کہ میں تیار ہوں۔ فیس ایک لاکھ پچیس ہزار روپے بتائی۔ امیر نے یہ شرط مان لی۔ اس وقت یہ رقم ان کے پاس نہ تھی۔ امیر نے پچھتر ہزار روپے (-/۷۵۰۰۰) دے دیے۔ باقی قرض رہا۔ مولوی صاحب جب عدالت میں پیش ہوئے تو پہلے وکیل جیسا سلوک ہونے لگا۔ مولوی صاحب نے اس پر احتجاج کیا اور عدالت سے کہا کہ یہ (وکیل) مدعی علیہ کا نمائندہ ہے اور میں امیر بہاولپور کا نمائندہ ہوں۔ سر شہاب الدین کی حیثیت امیر کے مقابلے میں کیا ہے؟ اور پھر عدالت دیکھے کہ اس کے سامنے کون بحیثیت وکیل امیر کا نمائندہ بن کر آیا ہے؟ بہر حال عدالت والوں نے مولوی صاحب سے بھی اچھا سلوک کیا۔ جب امیر کو اس کا پتہ چلا تو اس نے کہا کہ میرے پیسے پورے ہو گئے ہیں۔ بہرحال فیصلہ امیر کے حق میں ہو گیا۔ مولوی صاحب رات کو سوئے تو صبح فوت ہو گئے تھے۔ ان کی جیب سے دو آنے (۱۲ پیسے) اور ایک وصیت نامہ نکلا۔ حکیم صاحب نے کہ میں نے نامی صاحب سے پوچھا کہ انہوں نے پچھتر ہزار روپے امیر بہاولپور سے لیے تھے، وہ کہاں خرچ کیے؟ نامی صاحب نے بتایا تھا کہ وہ اپنے پاس موجود رقم سے خانقاہوں اور روضوں کی مرمت کروا دیا کرتے تھے، اپنے پاس بچا کر نہیں رکھتے تھے۔ اس وقت مولوی ابراہیم علی چشتی ابھی کم سن تھے۔ جو رقم امیر بہاولپور کے ذمے تھی، وہ قسط وار مولوی ابراہیم علی چشتی کو دیتے رہے۔ جس سے انہوں نے سکول اور کالج کی تعلیم مکمل کی۔

۱۷۔اکتوبر۱۹۹۱ء

علامہ محمد عالم آسی کا انداز تدریس

آج میں سید سرفراز علی زیدی (۳۵) کے ساتھ حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے مطب گیا۔ کھانے کا وقت تھا۔ زیدی صاحب نے مطب پہنچنے سے پہلے چوک گوالمنڈی سے سالن لیا۔ کہنے لگے مطب کے قریب سے روٹیاں لے لیں گے۔ (دوپہر کے کھانے کا وقت ہے، کھانا کھائیں گے۔ جب ہم مطب پہنچے تو زیدی صاحب نے حکیم صاحب سے پوچھا کہ کیا آپ نے کھانا کھالیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ابھی نہیں۔ قریباً پونے دو بجے بعد دوپہر کا وقت تھا۔ حکیم صاحب بالعموم ساڑھے بارہ بجے سے ایک بجے بعد دوپہر تک کھانا کھالیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم تینوں نے اکٹھے کھانا کھایا۔ اس کے بعد میں (راقم السطور) نے حکیم صاحب سے کہا کہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ایک پروفیسر سید رضوان علی صاحب کراچی یونیورسٹی سے آئے ہوئے تھے۔ وہ سیدنا برہان الدین چیئر، کراچی یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ وہ یہاں کے عربی کے علماء پر تحقیق کر رہے ہیں۔ میں نے ان کو علامہ محمد عالم آسی (المتوفی ۱۹۴۴ء) کے بارے میں بتایا اور آپ کے ذخیرہ کی فہرست (جلد اول) سے علامہ مرحوم کی کتب کے نام دکھائے۔ میں نے ان کو یہ بھی بتایا کہ علامہ آسی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں ڈاکٹر پیر محمد حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد بھی ہیں۔ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ مرحوم بھی ان کے شاگرد تھے۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری بھی ان کے شاگرد ہیں اور حکیم صاحب خود کو ان کے آخری شاگرد (آخر التلامذہ) بتایا کرتے ہیں۔

آج حکیم صاحب نے علامہ آسی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بہت سی باتیں بتائیں۔ انہوں نے کہا کہ علامہ آسی کا انداز تدریس کالج کے استاذ جیسا تھا۔ وہ اپنے

شاگردوں سے کہا کرتے تھے، کہ گھر سے پڑھ کر آؤ اور مشکل مقامات کے بارے میں پوچھ لو۔ اس کے علاوہ کاپی (نوٹ بک) لانے کے بارے میں بھی کہا کرتے تھے۔ نوٹس (Notes) لکھواتے تھے۔ اپنے شاگرد میں ایسی صلاحیت اور استعداد پیدا کرتے تھے تاکہ وہ خود ہی کتاب کو پڑھ سکے۔

حکیم صاحب نے یہ بھی بتایا کہ ان کے شاگردوں میں خواجہ عبدالرحیم بار ایٹ لاء (وفات ۱۹۷۴ء) بھی تھے۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم (وفات ۱۹۷۸ء) بھی ان سے استفادہ کے لیے جایا کرتے تھے۔ علامہ محمد حسین عرشی (وفات ۱۹۸۵ء) بھی ان سے پڑھتے رہے۔ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ (وفات ۱۹۷۷ء) اور ڈاکٹر پیر محمد حسن (م ۱۹۹۹ء) نے ان سے بہت استفادہ کیا تھا، بالخصوص عربی زبان و ادب کے سلسلہ میں۔ حکیم صاحب نے بتایا کہ میرے بڑے بھائی حکیم غلام قادر صاحب نے زبدۃ الحکماء کا امتحان دینا تھا کتاب ''حمیات قانون شیخ الرئیس'' نصاب میں شامل تھی۔ بھائی صاحب نے علامہ آسی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ یہ کتاب پڑھا دیں۔ علامہ صاحب نے کہا کہ ایک کاپی (نوٹ بک) لے آؤ، میں اس کے بارے میں نوٹس (Notes) لکھوا دوں گا۔ پھر تم خود کتاب پڑھ لوگے۔ چنانچہ علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھائی صاحب کو ایسے نوٹس لکھوا دیے جن کو ''تلخیص حمیات قانون'' کہا جا سکتا تھا۔ یہ مسودہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے وقت امرتسر میں ضائع ہو گیا۔

حکیم صاحب نے بتایا کہ جس کاپی (نوٹ بک) پر میں مشق کیا کرتا تھا، وہ بھی امرتسر میں رہ گئی اور ضائع ہو گئی۔ بھائی صاحب جب تعلیم سے فارغ ہو گئے، تو علامہ صاحب نے ان سے کہا کہ پہلے تم اپنی مرضی سے کتابیں پڑھتے رہے، اب میں تمہیں اپنی پسند کی ایک کتاب پڑھاؤں گا اور اس کو پڑھانے کے لیے میں خود تمہارے مکان پر آیا کروں گا۔ ان کے مکان اور حکیم صاحب کے مکان کا درمیانی فاصلہ تقریباً ڈھائی میل تھا۔ چنانچہ علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مکان پر آ گئے اور کہنے لگے: قرآن مجید

لاؤ، یہ کتاب میں تمہیں خود پڑھایا کروں گا۔ چنانچہ ان کا معمول تھا کہ وہ صبح آ جاتے اور آ کر بھائی صاحب کو قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے (درس قرآن دیا کرتے تھے)۔ قرآن مجید کے اٹھارویں پارہ پر درس قرآن شروع تھا کہ وہ چند روز بیمار رہ کر انتقال کر گئے۔

ایک بار ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ مرحوم کے ساتھ ایک اور صاحب علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ آپ عربی زبان وادب کے اتنے بڑے فاضل ہیں۔ آپ کو کسی اچھے منصب پر ملازمت مل سکتی ہے۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ میں نے عربی زبان قرآن مجید سمجھنے کے لیے پڑھی تھی، ملازمت کرنے کے لیے نہیں۔ حکیم صاحب نے یہ بھی بتایا کہ انہوں نے جو درسی کتب لکھی تھیں وہ طلبہ کو عموماً بلا قیمت بھیج دیا کرتے تھے، اگرچہ ان کی قیمت مقرر کی ہوئی تھی۔ ہمیں کہتے کہ کس نے کتاب منگوائی ہے؟ اگر ہم کہہ دیتے کہ ایک طالب علم ہے تو آپ فرما دیتے کہ کتاب بلا قیمت بھیج دو، اس کو وی پی نہ بھیجنا۔

علامہ آسی نے عربی میں تفسیری کام بھی شروع کر رکھا تھا۔ اس کا مسودہ ان کے اعزہ کے پاس ہے۔ علامہ مرحوم کی خط وکتابت مولانا اشرف علی تھانوی (وفات ۱۹۴۳ء) کے سے بھی ہوئی تھی۔ یہ بھی عربی زبان میں تھی۔ مولانا اشرف علی تھانوی کے ایک خلیفہ لاہور میں رہائش پذیر تھے۔ وہ بتایا کرتے تھے کہ مولانا اشرف علی تھانوی نے آدھی حدیث کسی مضمون میں نقل کر دی۔ اس پر آسی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اعتراض کیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر پوری حدیث نقل کر دیتا تو ایک طبقے کی دل آزاری ہوتی۔ اس کے جواب میں علامہ آسی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ معاذ اللہ آپ کہنا چاہتے ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ کے کلام سے کسی کی دل آزاری بھی ہوتی ہے۔ اس خط وکتابت کا ثبوت مولانا اشرف علی تھانوی کے رسالے (غالباً رسالہ امدادیہ) سے بھی ملتا ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ امرتسر سے آمدہ ایک خط کے جواب میں۔ یہ خط

علامہ آسی رحمۃ اللہ علیہ ہی لکھا کرتے تھے۔

حکیم صاحب نے بتایا کہ امرتسر کا ماحول مناظرانہ زیادہ تھا اور علمی کم۔ اس وجہ سے علامہ آسی رحمۃ اللہ علیہ زیادہ علمی کام نہ کر سکے۔ گویا ماحول اس طرح کا نہ تھا کہ علمی کام کی زیادہ پذیرائی ہوتی۔

۱۹۔فروری ۱۹۹۲ء

والد صاحب (حکیم سید بشیر احمد رِضوی) کی وفات پر تعزیت کے لیے حکیم صاحب کی لائبریری میں آمد

میرے والد صاحب (حکیم سید بشیر احمد رِضوی) کا انتقال ۱۰۔فروری ۱۹۹۲ء کو فیصل آباد کے چک نمبر ۳۲ گ۔ب (گوگیرہ برانچ) میں ہو گیا تھا۔ ۱۱۔فروری ۱۹۹۲ء کو مرحوم کو وہاں کے مقامی قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ ۱۵ فروری کو میں لاہور واپس آیا۔ حکیم صاحب کو والد صاحب کے انتقال کی خبر ہوئی۔ انہوں نے ۱۹ فروری کو سید سرفراز علی زیدی صاحب کے ذریعے پیغام بھجوایا کہ وہ گیارہ بجے قبل دوپہر کے قریب فاتحہ خوانی کے لیے لائبریری میں آئیں گے۔ چنانچہ حکیم صاحب دو اور ساتھیوں (محمد ریاض ہمایوں سعیدی اور ایک اور صاحب) کے ساتھ لائبریری (قائداعظم کیمپس) میں تشریف لائے۔ انہوں نے مرحوم والد صاحب کے لیے فاتحہ خوانی کی اور تعزیتی کلمات کے ساتھ دعا بھی کی۔ میں نے کہا کہ تشریف لائیں، آپ کو آپ کا ذخیرۂ کتب دکھائیں۔ چنانچہ حکیم صاحب نے اپنے ذخیرہ کو منظم صورت میں دیکھا۔ ان کے ذخیرے کے ساتھ ہی میاں محمد دین کلیم مرحوم کا ذخیرۂ کتب بھی رکھا ہوا ہے۔ اس کی طرف بھی میں نے اشارہ کیا۔ یہ ذخیرۂ کتب بھی حکیم صاحب کی ذاتی ترغیب و تشویق دلانے کی وجہ سے میاں کلیم مرحوم کے ورثاء نے لائبریری کو بطور عطیہ دے دیا تھا۔ اس کے بعد حکیم صاحب میرے دفتر (ڈپٹی چیف لائبریرین، اورئینٹل سروسز) میں واپس تشریف لے آئے۔ اس کے بعد اصرار کے ساتھ چائے پیش کی گئی۔ بعد

ازاں حکیم صاحب جانے لگے تو میں نے کہا کہ آپ آئے ہوئے ہیں تو لائبریری بھی دیکھ لیں۔ چنانچہ پہلے حکیم صاحب کو فسٹ فلور پر موجود لائبریری کے شعبے دکھائے۔ پھر گراؤنڈ فلور پر واقع شعبوں کے بارے میں بھی بتایا۔ لائبریری سے باہر جاتے وقت جو شعبے راستے میں آئے حکیم صاحب نے وہ بھی دیکھے۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ اولڈ کیمپس (علامہ اقبال کیمپس) کی نسبت اب آپ کے پاس جگہ کافی ہے۔ میں نے کہا کہ اس عمارت کا تعمیر شدہ رقبہ ایک لاکھ دو ہزار مربع فٹ ہے جبکہ پرانی عمارت کا رقبہ قریباً تیس ہزار مربع فٹ تھا۔ اس کے بعد حکیم صاحب لائبریری سے باہر تشریف لائے اور اپنے ساتھیوں سمیت کار میں بیٹھ گئے۔ ڈرائیور نے گاڑی سٹارٹ کی اور حکیم صاحب تشریف لے گئے۔ حکیم صاحب کی آمد پر میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ آپ بہت عدیم الفرصت ہیں۔ ان کے مطب میں مریض اور ملاقاتی ہر وقت آتے رہتے ہیں۔ ان کا مطب سے کہیں باہر جانا بہت مشکل ہوتا ہے، لیکن یہ ان کی شفقت ہے کہ وہ والد صاحب مرحوم کی تعزیت کے لیے تشریف لائے۔

۱۷۔ جون ۱۹۹۳ء

حکیم صاحب کے بھائی حکیم شمس الدین کا انتقال

حکیم صاحب کے بڑے بھائی حکیم شمس الدین پاک پتن میں سکونت پذیر تھے۔ ان کا انتقال ۱۴۔ جون ۱۹۹۳ء کو وہاں ہو گیا تھا۔ ان کے انتقال کی خبر مجھے دو روز قبل پروفیسر محمد اسلم صاحب (م ۱۹۹۸ء) سابق چیئرمین، شعبہ تاریخ، جامعہ پنجاب، لاہور نے دی تھی اور یہ بھی بتایا تھا کہ حکیم صاحب پاک پتن گئے ہوئے ہیں۔ وہ بدھ بتاریخ ۱۶۔ جون کی شام کو واپس آئیں گے۔ چنانچہ میں جمعرات بتاریخ ۱۷۔ جون کو ان کے مطب میں فاتحہ خوانی کے لیے گیا۔ میں قریباً ڈیڑھ بجے بعد دوپہر حکیم صاحب کے مطب پہنچا۔ ان کے مرحوم بھائی صاحب کی وفات پر اظہار تعزیت کیا اور فاتحہ خوانی کی۔

حکیم صاحب نے بتایا کہ مرحوم کا علم طب کے میدان میں پایہ بہت بلند تھا۔ انہوں نے علامہ آسی صاحب سے بھی استفادہ کیا تھا۔ لاہور سے حکیم حاذق کی ڈگری بھی لی تھی۔ ان کو خطاطی سے بھی شغف تھا۔ انہوں نے عبدالمجید پروین رقم مرحوم سے بھی اس فن کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔ حافظ محمد یوسف سدیدی مرحوم (وفات ۱۹۸۶ء) جب پاک پتن تشریف لے گئے تو قلم بنا کر ان کو دے آئے تھے کہ چونکہ آپ نے پروین رقم صاحب سے اس فن کے بارے میں کچھ سیکھا ہوا ہے، اس لیے یہ قلم بنا کر آپ کو دے رہا ہوں۔ حکیم صاحب نے بتایا کہ پاک پتن کی کئی عمارتوں (مساجد) پر ان کی کتابت کی ہوئی ہے۔

حکیم صاحب نے مزید بتایا کہ ان کا دستر خوان بہت وسیع تھا۔ ۲۵۔ ذی الحجہ کو بابا جی فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا عرس شروع ہوتا ہے۔ لوگ ان کے پاس ٹھہرتے تھے۔ تقریباً سوسو زائرین صبح وشام ان کے دستر خوان سے کھانا کھاتے تھے۔ محمد ریاض ہمایوں سعیدی صاحب نے بتایا کہ وہ (حکیم شمس الدین مرحوم) زائرین کے لیے بہت انتظام کرتے تھے، بیت الخلاء تک بنواتے تھے۔ حکیم صاحب نے بتایا کہ عرس کے دنوں میں پانی کی سبیلیں بھی لگواتے تھے تا کہ زائرین کو پانی حاصل کرنے میں دقت نہ ہو۔

اسی نشست کے دوران محمد ریاض ہمایوں سعیدی صاحب پروفیسر سید مظہر سعید کاظمی صاحب کے ساتھ حکیم صاحب کے پاس آئے۔ آ کر ان کا تعارف کروایا اور میرا تعارف کاظمی صاحب سے کروایا۔ انہوں نے بھی حکیم صاحب کے مرحوم بھائی صاحب کے لیے فاتحہ خوانی کی اور تعزیتی کلمات ادا کیے۔ یہ مولانا احمد سعید کاظمی مرحوم (وفات ۱۹۸۶ء) کے بڑے فرزند ہیں۔ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان میں انگریزی کے استاد ہیں اور وہاں ملتان میں سجادہ نشین بھی ہیں۔ کاظمی صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ آپ اپنے نام کے ساتھ رِضوی کس نسبت سے لکھتے ہیں؟ میں

نے بتایا کہ حضرت امام رِضا علیہ السلام کی نسبت سے۔ وہ کہنے لگے کہ بعض اعلیٰ حضرت (احمد رِضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ) کی نسبت سے بھی ایسا لکھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ کے استفسار پر میں نے وضاحت کر دی ہے۔ آپ ہم سے بڑے ہیں کیونکہ آپ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اس پر وہ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ آپ سادات رِضویہ میں سے ہیں۔ جب مطب سے جانے لگے تو مجھے بہت تپاک سے ملے اور معانقہ بھی کیا۔ ان کے بھائی سید حامد سعید کاظمی صاحب ملتان سے ایم۔این۔اے (MNA) ہیں۔

کاظمی صاحب نے اسی نشست میں بتایا کہ میں ۱۹۶۸ء میں ایم۔اے میں پڑھتا تھا اور حکیم صاحب کے پاس آیا کرتا تھا۔ اس وقت لاہور میں پہلی بار ''یوم رِضا'' منایا گیا۔ اس کے اہتمام وانتظام میں ہم حکیم صاحب کے ساتھ تھے۔ اس میں جو اور لوگ بھی شامل تھے ان میں م۔ش (صحافی) کا نام بھی لیا۔

اسی نشست میں حکیم صاحب نے میرے استفسار پر بتایا کہ حکیم شمس الدین مرحوم نے طبی کتب پر مشتمل بہت بڑا ذخیرہ کتب پاک پتن شریف میں جمع کیا ہوا ہے۔ میری طبی کتب بھی اس ذخیرے میں شامل ہیں۔ ان کا ایک بیٹا (حکیم سدید الدین صاحب) ہے وہ بھی طبیب ہے۔ انہوں نے کتابیں اچھی حالت میں رکھی ہوئی ہیں۔

ہمایوں صاحب کے استفسار پر حکیم صاحب نے بتایا کہ جب ہم ہجرت کر کے امرتسر سے لاہور آ گئے، تو میاں علی محمد خان صاحب المتوفی ۱۹۷۵ء (حکیم صاحب کے پیر) پاک پتن جاتے ہوئے حکیم شمس الدین (مرحوم) کو بھی اپنے ساتھ وہاں لے گئے۔ چنانچہ وہ وہاں مقیم ہو گئے، گویا میاں صاحب ایک علمی تحفہ اپنے ساتھ لے گئے۔ اس طرح اس علاقے کے رہنے والوں کو علاج معالجہ کرانے میں آسانی ہو گئی۔ حکیم صاحب نے یہ بھی بتایا کہ حکیم شمس الدین مرحوم نے انگریزی میں خاصی

استعداد پیدا کر لی تھی۔ انہوں نے ٹائپ بھی سیکھ لی تھی۔ وہ اپنے خطوط خود ہی ٹائپ کر لیتے تھے۔ حکیم صاحب نے یہ بھی کہا کہ ان کی وفات سے علاقے کے لوگ ان کے فیضان سے محروم ہو گئے ہیں۔

۵۔ ستمبر ۱۹۹۹ء

عزیز عقیل احمد سلمہ کے یونیورسٹی میں داخلے کے لیے دعا

آج قریباً گیارہ بجے قبل دوپہر حکیم صاحب کے مطب میں حاضر ہوا۔ کافی مریض موجود تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب فرصت ہوئی تو حکیم صاحب نے احوال پرسی کی۔ اس کے بعد فرمانے لگے کہ بتائیں صاحبزادہ صاحب (عقیل احمد سلمہ) تعلیمی مراحل طے کر رہے ہیں۔ دراصل آج میں اس بنیادی مقصد کے لیے ان کے ہاں حاضر ہوا تھا کہ ان دنوں عزیز کے یونیورسٹی میں ایم۔ اے میں داخلے کے لیے کوشش کر رہا تھا۔ حکیم صاحب سے اس مقصد کے لیے دعا کروانے کے لیے گیا تھا۔ میری طرف سے بات شروع کرنے سے پہلے ہی آپ نے اس بارے میں استفسار کیا۔ میں نے جواباً کہا کہ آج کی حاضری کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ عزیز کے داخلے کے لیے آپ سے دعا کی استدعا کی جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کرے کہ اچھے شعبے میں داخلہ ہو جائے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ میں کسی مقصد کو ذہن میں رکھ کر حکیم صاحب کے مطب میں حاضر ہوا، اور میری بات سے پہلے ہی حکیم صاحب نے اس کے بارے میں گفتگو شروع کر دی۔ ڈاکٹر ایم۔ ایس۔ ناز صاحب نے اپنی کتاب ''حضرت اویس قرنی ؓ'' کے انتساب میں حکیم صاحب کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ ''مستور الحال درویش'' ہیں۔

ماں کی عظمت

ایک صاحب اپنی کم عمر بچی کی صحت کے بارے میں آپ سے مشورہ کر رہے تھے کہ ایک موقع پر حکیم صاحب نے ایک نہایت قیمتی اور بلیغ فقرہ ارشاد فرمایا: ''اگر ماں بچے کے قریب سے گزر جائے، تو بچہ صحت مند ہو جاتا ہے۔'' والدہ کی عظمت کے بارے میں کس بلیغ انداز میں اظہار خیال کیا۔ میرے قریب محمد شہزاد مجددی صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ اس فقرہ پر میں نے ان کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھا اور انہوں نے بھی اسی طرح میری طرف دیکھا اور کہا کہ یہ بزرگوں کا انداز گفتگو ہے۔

حج کے دوران کے واقعات

آپ غالباً ۱۹۷۴ء میں حج کے لیے مکہ مکرمہ گئے تھے۔ وہاں کے قیام کے بارے میں حکیم صاحب نے باتیں کرتے ہوئے فرمایا کہ کسی صاحب نے وہاں مجھ سے سوال کیا کہ یہاں کب فکری انقلاب آئے گا؟ اس کے جواب میں، میں نے کہا کہ آج کے سعودی بچے جب باہر جائیں گے اور وہاں سے تعلیم حاصل کر کے آئیں گے تو پھر ان کی فکر میں انقلاب پیدا ہوگا۔

دوران گفتگو فرمانے لگے کہ سعودی عرب میں سخت انتظامات ہیں۔ وہاں حکومت کے خلاف کوئی بات نہیں کر سکتا۔ یہاں تو ہم حاکموں کے بارے میں سخت الفاظ استعمال کر لیتے ہیں، لیکن وہاں ایسا ممکن نہیں ہے۔ حج کے قیام کے دوران (قریباً تین ماہ) ہمیں کسی نے بتایا کہ جنت البقیع کے قریب ایک کنواں ہے، وہاں جا کر کپڑے دھوئے جا سکتے ہیں۔ جب ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں ایک پنجابی بابا بطور نگران بیٹھا ہے۔ جب ہم نے اس کا نام پوچھا تو اس نے اپنا نام بگاڑ کر بتایا، حالانکہ اس کا نام غلام رسول تھا۔ جب ہم نے اس سے کہا کہ تم اپنا اصل نام کیوں نہیں بتاتے تو اس نے کہا کہ اگر میں ایسا کروں تو حکومت وقت مجھے سعودی عرب سے

خارج ہونے کا حکم دے گی۔اس وجہ سے میں ایسا نہیں کرتا۔

اس کے بعد غلام اللہ اور غلام محمد ایسے ناموں کے بارے میں بحث چل نکلی،اس میں محمد شہزاد مجددی صاحب اور محمد ریاض ہمایوں سعیدی صاحب نے حصہ لیا۔انہوں نے بتایا کہ وہاں کے عقائد کے مطابق ایسے نام رکھنا بھی درست نہیں ہے۔

میں نے کہا کہ ۱۹۶۰ء کے عشرے میں لائبریری میں قاضی عبدالنبی کوکب مرحوم کے ساتھ ڈپلوما،لائبریری سائنس کے زیر تعلیم ایک طالب علم قریباً ایک گھنٹہ تک بحث کرتے رہے کہ آپ کا نام عبدالنبی کیوں ہے، یہ تو شرک ہے۔قاضی صاحب نہایت تحمل اور بردباری سے علمی دلائل دیتے رہے۔لیکن طالب علم مذکور اپنے خاص عقیدہ کی وجہ سے قاضی صاحب کا موقف نہ مانے۔اور نہ ہی انہوں نے علمی دلائل کو کوئی اہمیت دی۔اس پر ہمارے ساتھ بیٹھے ہوئے میاں زبیر احمد صاحب نے یہ فقرہ کہا'' یہ تو میں نہ مانوں والی بات ہوئی''۔

مخزن احمدی کی اہمیت

حکیم صاحب نے ''مخزن احمدی'' کا ایک نسخہ محمد شہزاد مجددی صاحب کو دیا اور کہا کہ اس کو غور سے پڑھیں۔دوران مطالعہ نشانات لگاتے جائیں۔اس میں بہت سی باتیں سید احمد شہید بریلوی کے بارے میں ملیں گی۔یہ کتاب بہت اہم اور تاریخی اہمیت کی ہے۔میاں زبیر احمد علوی صاحب نے کہا کہ محمد عالم مختار حق صاحب نے مولانا غلام رسول مہر (وفات ۱۹۷۱ء) کی کتابوں کے ذخیرے کو ایک زمانے میں منظم کیا تھا۔مولانا نے ان سے کہا کہ اگر کوئی کتاب پسند ہو تو اس کا ایک نسخہ لے لیں۔حکیم صاحب نے ان کو مشورہ دیا کہ ''مخزن احمدی'' کا ایک نسخہ ان کے ہاں سے لے آئیں۔چنانچہ عالم صاحب اس کا ایک نسخہ وہاں سے لے آئے۔حکیم صاحب نے اس بات کی تائید کی اور کہا کہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں بھی یہ کتاب موجود تھی اور میں نے قاضی عبدالنبی کوکب صاحب (وفات ۱۹۷۸ء) کے پاس بیٹھ کر اس

کتاب کو دیکھا تھا۔ حکیم صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ سید شریف احمد شرافت نوشاہی (وفات ۱۹۸۳ء) کا تعلق شاہ صاحب (راقم السطور) سے بھی تھا اور وہ دیر تک لائبریری میں بیٹھ کر تحقیقی کام کیا کرتے تھے۔ میرا رابطہ قاضی صاحب سے تھا۔ میں (راقم السطور) نے بھی اس بات کی تصدیق کی کہ شرافت صاحب صبح سے لے کر شام تک لائبریری کے اورئینٹل سیکشن میں بیٹھا کرتے تھے۔ حکیم صاحب نے شرافت نوشاہی صاحب کے بارے میں بتایا کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ میں تصنیف و تالیف کے کام سے نہ تو اکتاتا ہوں اور نہ ہی تھکتا ہوں۔ عمر کے آخری حصے میں کہا کرتے تھے کہ اب بھی اکتاتا تو نہیں ہوں، لیکن تھک ضرور جاتا ہوں۔

حکیم صاحب کے ملازمین ''بہلول'' اور ''فیروز''

آج حکیم صاحب نے اپنے ملازموں کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ پاکستان بننے کے بعد جب والد صاحب نے مطب کا کام شروع کیا، تو وہی صاحب (بہلول) جو پہلی بار امرتسر میں والد صاحب کے مطب میں آئے تھے، آپ کے پاس آئے، وہ پیر جماعت علی شاہ صاحب ثانی (م ۱۹۳۹ء) کے مرید تھے۔ ان کے نام کے ساتھ ''بلوچ'' کا لاحقہ تھا۔ والد صاحب (حکیم فقیر محمد چشتی مرحوم) نے کہا تھا کہ بلوچ کو چھوڑو۔ اب سے تمہارا نام ''بہلول'' ہوگا۔ وہ والد صاحب کے بہت مزاج شناس تھے، اور وفادار بھی۔ جب والد صاحب کا آخری وقت آیا اور اگلے روز ان کا انتقال ہو گیا۔ اس رات ہم والد صاحب کو مکان کی بالائی منزل میں لے گئے تھے۔ والد صاحب جب عشاء کی نماز سے فارغ ہو گئے، تو تھوڑی دیر کے بعد فرمانے لگے کیا تہجد کا وقت ہو گیا ہے؟ یہ بات سن کر بہلول پریشان ہو گئے اور کہنے لگے کہ آج کچھ ہونے والا ہے، کیونکہ اس شخص نے تو کبھی اس قسم کا بے محل سوال نہیں کیا۔ چنانچہ ہم دونوں والد صاحب کو مکان کی نیچے والی منزل میں لے آئے۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد وہ ان کے چہلم تک ہمارے پاس ٹھہرے۔ چہلم کے بعد

کہنے لگے کہ اب ہم چلتے ہیں۔ حکیم صاحب تو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ جب ہماری والدہ صاحبہ (م۱۹۷۲ء) کا انتقال ہو گیا تو بہلول کو حکیم صاحب کے والد صاحب خواب میں ملے اور کہنے لگے کہ کیا ہم نے تمہارے پیسے ادا نہیں کیے کہ تم نے ہم سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ جب بہلول نے یہ خواب دیکھا تو سمجھ گئے کہ کچھ ہو گیا ہے۔ چنانچہ جب وہ ہمارے پاس آئے، تو ان کو ہماری والدہ کی وفات کی خبر ملی۔

حکیم صاحب کے پاس ایک اور ملازم تھے۔ ان کا نام ''فیروز'' تھا اور ان کو فوجی کہا کرتے تھے۔ وہ بھی بہت وفادار اور فرض شناس ملازم تھے۔ حکیم صاحب کے الفاظ میں اب ایسے ملازم کہاں ملتے ہیں۔ حکیم صاحب جب حج کرنے کے لیے گئے تو ان کو کہہ گئے کہ کتابوں کا خیال رکھنا۔ چنانچہ وہ حکیم صاحب کے دوستوں کو بھی کتابوں کے قریب آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ ان دوستوں میں مؤرخ لاہور میاں محمد دین کلیم مرحوم اور ابوالطاہر فدا حسین فدا صاحب بھی تھے۔ ان سے کہتے تھے کہ جب حکیم صاحب حج سے واپس آئیں گے تو پھر اندر کتابوں کے قریب آنا۔ کتابوں کے بارے میں یہ باتیں میاں زبیر احمد صاحب قادری نے بتائیں۔

میاں صاحب نے مزید بتایا کہ ان کا ذکر ڈاکٹر این۔ اے۔ بلوچ صاحب نے اپنے مضمون میں کیا ہے۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد نے حکیم صاحب کی لسّی کا ذکر اپنے ایک مکتوب میں کیا ہے۔ یہ لسّی پہلوان (محمد رفیق بٹ صاحب) کی دکان کی تھی۔ اس پر میں نے کہا کہ حکیم صاحب کا مطب ایک اکیڈمی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے بارے میں لکھنے والے ان تمام چیزوں کا ذکر کرتے ہیں جن کی نسبت حکیم صاحب یا ان کے مطب سے ہے۔ اس دکان کی لسّی کی بھی بہت سی اقسام ہیں سادہ لسّی، پیڑوں والی لسّی۔ اس کے علاوہ فالودہ اور برفی بھی اس دکان کی مشہور ہے۔ یہ سب اشیاء پہلوان صاحب (محمد رفیق بٹ) کی دکان میں تیار ہوتی ہیں۔ یہ دکان حکیم صاحب کے مطب کے بالکل سامنے ہے۔ حکیم صاحب اپنے مہمانوں کی خاطر و مدارات ان

چیزوں سے بھی حسب موسم کرتے ہیں۔ اس لیے لکھنے والے ان اشیاء کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ یہ سب باتیں حکیم صاحب کی فیاضی اور جود و سخا پر دلالت کرتی ہیں۔

مہر و ماہ کا خصوصی شمارہ ''تذکارِ فدا''

میں نے ''مہرِ ماہ'' کے خصوصی شمارہ ''تذکار فدا'' پر مکتوب کی صورت میں مختصر تبصرہ کیا تھا۔ محمد شہزاد مجددی صاحب اخبار ''نوائے وقت'' کا وہ شمارہ لے کر آئے جس میں '''''تذکار فدا'' پر خبر شائع ہوئی تھی۔ یہ بہت مختصر خبر تھی۔ حکیم صاحب نے یہ دونوں دستاویزات (اخبار اور میرے مکتوب کی فوٹو کاپی) اپنے ملازم کے ہاتھ فدا حسین فدؔا صاحب کے گھر بھجوا دیں۔ جب ملازم دے کر واپس آیا، تو اس سے پوچھنے لگے کہ پہنچا آئے ہو۔ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ نے پوچھا کہ کون نیچے آیا تھا۔ شاید ان کا بیٹا۔ اس نے جواب دیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم پہچانتے ہو، کوئی اور تو نہ تھا۔ اس نے کہا کہ آنے والے نے کہا تھا کہ فدا صاحب اوپر بیٹھے ہیں۔

قریباً ایک بجے بعد دوپہر میں اجازت لے کر گھر کی جانب چلا۔ حکیم صاحب بھی رکشہ پر سوار ہو کر اپنے گھر (شادباغ) کی جانب روانہ ہو گئے۔ (۳۶)

۷۔ نومبر ۱۹۹۹ء

عزیز عقیل احمد سلمہ کے لیے دوائی

آج بروز اتوار گیارہ بجے قبل دوپہر کے قریب حکیم صاحب کے مطب میں حاضر ہوا۔ ان سے ملاقات ہوئی۔ حسب معمول از راہ شفقت مسند سے اٹھ کر ملے۔ پوچھنے لگے صاحبزادہ (عزیز عقیل احمد سلمہ) کا کیا حال ہے۔ میں نے عرض کیا کہ جب میں گھر سے چلنے لگا تو اس نے کہا تھا کہ حکیم صاحب سے بات کرنا کہ میرے گلے میں نزلہ گرتا ہے اور گلا خراب رہتا ہے۔ آپ نے نسخہ لکھ کر ہمایوں صاحب سے ایک ہفتے کی دوائی دینے کے لیے کہا۔ فرمانے لگے پھر اور دوائی بٹ صاحب (مسعود

احسن بٹ) کے ہاتھ منگوالینا۔ یہ امر قابل غور ہے کہ آخری دو تین ملاقاتوں میں جب میں ان کے پاس حاضر ہوتا، تو جو ذہن میں بات لے کر جاتا، حکیم صاحب مرحوم جاتے ہی اسی کے بارے میں گفتگو شروع کر دیتے۔

یارسول اللہ والا ٹیبل کیلنڈر

آج میں حکیم صاحب کے لیے ایک ٹیبل کیلنڈر (Table Calendar) برائے سال ۲۰۰۰ء لے گیا تھا۔ یہ ایک عزیز نے بھجوایا تھا۔ اس پر نہایت جلی، دیدہ زیب، سنہری الفاظ میں ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھا ہوا تھا۔ یہ کیلنڈر میں نے پیش کیا۔ اس کو دیکھ کر فرمایا۔ اگر یہ کیلنڈر دوبارہ شائع ہو تو عزیز کے واسطے سے شائع کرنے والی کمپنی کو کہنا کہ یارسول اللہ کے ساتھ درود اس طرح لکھا کریں: ''صلی اللہ علیک وآلک وسلم''۔ میں نے کہا ندا کی وجہ سے۔ آپ نے فرمایا: ''ہاں''۔ اس کے تھوڑی دیر بعد جب ہمایوں صاحب نے اس کو دیکھا، تو انہوں نے بھی یہی بات کہی۔ حکیم صاحب نے یہ کیلنڈر اپنے سامنے میز پر رکھ لیا۔ آپ کی وفات کے بعد بھی یہ کیلنڈر کئی روز تک وہیں رکھا جاتا رہا۔

آج کی مجلس خاصی طویل رہی۔ میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی صاحب اور محمد ریاض ہمایوں سعیدی صاحب بھی موجود تھے۔ مریض آتے رہے حکیم صاحب ان کو دیکھتے رہے اور نسخے لکھ لکھ کر دیتے رہے۔ جب موقع ملتا، تو علمی بات بھی کرتے۔

مولانا علم الدین سالک مرحوم

دوران گفتگو علم الدین سالک مرحوم (وفات ۱۹۷۳ء) کے بارے میں باتیں شروع ہوگئیں۔ ان کے والد صاحب کا پیشہ بھی زیر بحث آیا۔ میں نے کہا کہ وہ (سالک صاحب) فرمایا کرتے تھے کہ میں نے علی گڑھ سے ایم۔اے (فارسی) کیا۔ لیکن انگریز کی سروس نہ کی۔ وہ انجمن حمایت اسلام، لاہور کے اسلامیہ کالج میں

پڑھاتے رہے اور یہیں سے (ریلوے روڈ والی شاخ) سے بحثیت وائس پرنسپل ریٹائر ہوئے۔ انہوں نے ایک بار لائبریری میں میری میز کے قریب بیٹھ کر مختلف موضوعات پر کافی دیر تک باتیں کیں۔ ان میں سے ایک یہ بات کی کہ اگر کسی کو بخار ہو اور یہ آیت: ﴿یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْداً وَّ سَلَاماً عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ﴾ بار بار پڑھ کر اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا جائے، تو اس کا بخار اتر جاتا ہے۔ دوسرا واقعہ انہوں نے ایک مسلمان عالم کا سنایا کہ انہوں نے بہت اچھی اپنی ذاتی لائبریری قائم کر رکھی تھی۔ جب ان کا وقت آخر قریب آیا، تو وہ اپنی لائبریری میں گئے، کتابوں کو اپنے ہاتھ سے صاف کرنا شروع کیا اور جب وہ آخری الماری کے آخری خانے کی آخری کتاب صاف کر چکے تو ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اس طرح انہوں نے مسلمان علماء کی کتاب کے ساتھ محبت کا تذکرہ کیا۔

حکیم صاحب نے فرمایا کہ ان کے بیٹے محکمہ تعلیم میں سروس کرتے تھے۔ میں نے عرض کیا، جی ہاں۔ ان کا نام احسان سالک صاحب ہے۔ وہ تاریخ کے استاد تھے۔ اب ریٹائر ہو چکے ہیں۔ چند روز پہلے مجھے صبح کے وقت نیو کیمپس، شعبہ آئی۔ ای۔ آر (شعبہ تعلیم و تحقیق) کے کار سٹینڈ کے قریب کھڑے ہوئے ملے تھے۔ سیر کرنے کے لیے آئے ہوئے تھے۔

مولانا انور شاہ کشمیری کا ایک واقعہ

اسی ملاقات میں آپ نے مولانا انور شاہ کشمیری (وفات ۱۹۳۳ء) کا ایک واقعہ سنایا کہ امرتسر میں مسجد خیر دین زیر تعمیر تھی۔ شاہ صاحب امرتسر آئے۔ مسجد دیکھنے کے لیے بھی آئے۔ انہوں نے پچاس روپے مسجد کی انتظامیہ کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ اس رقم کی اینٹیں میری طرف سے منگوا لینا اور مسجد کی تعمیر میں لگوا دینا۔ پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ جب قرب قیامت کا زمانہ ہوگا، تو زمین سے مسجدیں اٹھا لی جائیں گی اور ان کو جنت میں جگہ دی جائے گی۔ اس طرح میرے

حصے کی جب اینٹیں جنت میں جائیں گی، تو اللہ میاں مجھے بھی اس کی وجہ سے جنت میں بھیج دے گا۔ یہ بات مسجد کے احترام کے لیے حکیم صاحب نے سنائی۔ پھر فرمانے لگے کہ گذشتہ حکومت کے دور میں بہت سی مساجد کو شہید کر دیا گیا اور ان کی بے حرمتی کی گئی۔ کئی مزارات کو راستے سے ہٹا دیا گیا تا کہ کھلی سڑکیں بنیں۔ سنا ہے کہ ان مزارات میں سے ایک دو میتیں صحیح حالت میں بھی نکلی ہیں۔ اس طرح اللہ کے نیک بندوں کی بے حرمتی بھی کی گئی۔

آج کی مجلس میں میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی صاحب اور محمد ریاض ہمایوں سعیدی صاحب بھی حصہ لیتے رہے۔

کتابوں کے بارے میں تاکید
اور ہاتھ سے تین بار ''الوداع'' کا اشارہ

حکیم صاحب نے اس روز مجھے بطور خاص کہا کہ کتابوں کو لے جانے کے لیے بٹ صاحب (مسعود الحسن بٹ) سے کہیں کہ وہ جلدی جلدی آیا کریں۔ اس بات کو آپ نے اس آخری ملاقات میں دو تین بار دہرایا۔ ایک بجے بعد دوپہر کا وقت ہو رہا تھا۔ حکیم صاحب اوپر واش روم میں گئے۔ پھر نیچے آ کر پانی سے ہاتھ دھوئے، رکشہ باہر کھڑا تھا۔ میں نے میاں زبیر احمد صاحب سے کہا کہ حکیم صاحب جانے والے ہیں۔ میاں صاحب نے کہا کہ مل کر جائیں گے۔ میں اپنی نشست سے اٹھا۔ حکیم صاحب کے قریب گیا۔ ان سے مصافحہ کیا۔ اس وقت بھی حکیم صاحب نے یہ فقرہ دہرایا کہ بٹ صاحب کو کتابیں لے جانے کے لیے جلد بھجوائیں۔ ان کا یہ انداز خلاف معمول تھا۔ انہوں نے رکشہ کی جانب رخ کیا اور میں دواخانہ میں کھڑا کسی اور جانب متوجہ ہو گیا۔ اسی دوران ہمایوں صاحب نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ حکیم صاحب ہاتھ ہلا رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ میری توجہ اور جانب تھی۔ میں نے نہیں دیکھا۔ چنانچہ میں فوراً رکشہ کے قریب گیا۔ اس وقت آپ رکشہ میں بیٹھ چکے

تھے۔ میں نے قریب جا کر ہاتھ ہلایا۔حکیم صاحب نے اسی انداز میں جواب دیا۔جب رکشہ سٹارٹ ہوا تو حکیم صاحب نے میری طرف رخ کر کے تیسری بار ہاتھ ہلایا۔میں نے بھی جواب میں ہاتھ ہلایا۔

آپ کی وفات (۱۷۔نومبر ۱۹۹۹ء) کے بعد میں اس آخری ملاقات کی جزئیات پر غور کرتا رہا اور سوچتا رہا کہ حکیم صاحب مرحوم نے خلاف معمول تین بار ہاتھ ہلا کر ''الوداع'' کا اشارہ دیا جس کو میں اس وقت سمجھ نہ سکا۔پھر کتابوں کے لیے خلاف معمول تین بار تاکیداً فرمایا کہ بٹ صاحب کو اس مقصد کے لیے جلد جلد بھیجا کریں۔آخری بار جب یہ بات انہوں نے فرمائی تو ان کے چہرے پر ایک عجیب قسم کا نورانی تاثر ابھرا جس کی تفہیم و ادراک کی گہرائی کا علم ان کی وفات کے بعد ہوا۔اس ملاقات کا نقش میری لوح ذہن پر تازہ ہے اور میں آج (۲۳۔جنوری ۲۰۰۰ء) اس ملاقات کی تفصیل کو احاطہ تحریر میں لا رہا ہوں تاکہ ریکارڈ میں محفوظ رہے۔خداوند عالم حکیم صاحب محمد موسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بہشت بریں میں بحق سید المرسلین ﷺ بلند فرمائے۔وہ بہت عظیم انسان تھے۔

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

اسی کا ترجمہ اردو میں اس شعر میں کیا گیا ہے:

سالہا دیر و حرم میں زندگی روتی رہی
تب کہیں نکلا کوئی اس بزم سے دانائے راز

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حواشی

۱۔میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی قادری ضیائی، حکیم صاحب کے دست راست کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے۔ وہ میاں صاحب کو اپنی حیات میں طبابت کی مسند پر بٹھا گئے۔ کتابوں کی جمع آوری اور ذخیرۂ کتب کی نشو ونما کا فریضہ بھی ان کو سونپ گئے۔ چنانچہ میاں صاحب حکیم صاحب مرحوم کی روحانی نگرانی میں یہ دونوں کام سرانجام دیتے نظر آتے ہیں۔ مطب کا منظر بتاتا ہے کہ حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی معنوی طور پر نگرانی کر رہے ہیں اور میاں صاحب اس نگرانی کے زیر اثر اور زیر سایہ کام کر رہے ہیں۔ میاں صاحب ''دارالفیض گنج بخش'' کے زیر اہتمام کتابوں کی اشاعت کا پروگرام بھی چلا رہے ہیں۔ ان مطبوعہ کتب کو بلا قیمت تقسیم بھی کرتے ہیں۔ اس طرح علم کی ترویج و اشاعت میں سرگرم عمل ہیں۔

۲۔میاں محمد ریاض ہمایوں سعیدی صاحب مطب میں آنے والے مریضوں کو ادویہ دینے پر مامور ہیں۔ وہ یہ فریضہ کئی سالوں سے خوش اسلوبی سے ادا کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں کتابوں کی تلاش اور جستجو کی ذمہ داری بھی ان کے سپرد ہے۔ ذخیرۂ کتب حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ میں شامل کرنے کے لیے کتابوں کو تیار کرنا بھی ان کے فرائض میں شامل تھا۔ وہ اس ذمہ داری کو بطرز احسن ادا کرتے رہے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ دارالفیض گنج بخش کے اشاعتی پروگرام کے ناظم اشاعت کی حیثیت سے بھی فرائض انجام دے رہے ہیں۔

۳۔فائل بعنوان: خط و کتابت متعلقہ ذخیرۂ کتب حکیم محمد موسیٰ امرتسری''، ص۔۱ (یہ فائل پنجاب یونیورسٹی لائبریری، قائداعظم کیمپس، میں محفوظ ہے)۔[لائبریری ۱۹۸۸ء میں قائداعظم کیمپس (نیو کیمپس) میں منتقل کی گئی تھی]

۴۔ ایضاً، ص ۳

۵۔ ایضاً، ص ۴

۶۔ ایضاً، ص ۱۰

۷۔ اس کی تفصیل کے لیے درج ذیل مضمون دیکھا جا سکتا ہے:۔
سید جمیل احمد رضوی ''قاضی عبد النبی کوکبؔ مرحوم (۱۹۳۶ء۔۱۹۷۸ء)، معروف عالم اور ماہر فہرست ساز مخطوطات''، مشمولہ پاکستانی لائبریرین، لاہور، شمارہ ۲ (۱۹۹۶ء) ۷۔۱۵

۱۹۔ جنوری ۱۹۷۸ء کو قاضی عبد النبی کوکبؔ ضلع کچہری چوک کے قریب سڑک عبور کرتے ہوئے ٹریفک کے ایک حادثہ میں شدید زخمی ہو گئے۔ اسی روز ان کا میو ہسپتال میں انتقال ہو گیا۔ ۲۰ جنوری ۱۹۷۸ء کو بعد نماز جمعہ ان کی نماز جنازہ حضرت علامہ ابو البرکات سید احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۷۸ء) نے جامع مسجد داتا گنج بخش کے صحن میں پڑھائی۔ اسی روز انہیں دفن کر دیا گیا۔

وہ کوکب سحر کہ جو مٹی میں جا ملا
خورشید اب کہاں سے اس کو ڈھونڈ لاؤں میں

(خورشید رضوی)

۸۔ یہاں پر اس امر کا بیان مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی صاحب سے میری پہلی ملاقات لائبریری میں ہوئی تھی۔ میاں صاحب کسریٰ منہاس صاحب کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ کسریٰ صاحب نے ان کا تعارف کرایا۔ میاں صاحب نے ''تاریخ نجد و حجاز'' تبصرہ کے لیئے مجھے دی تھی۔ میاں صاحب سے دوسری ملاقات بھی لائبریری میں ہوئی۔ اس وقت غالباً سید نور محمد قادری ان کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ اس موقع پر کتاب: ''برکات آلِ رسول'' کا ایک نسخہ مجھے عنایت کیا گیا تھا۔

۹۔ فائل بعنوان: ''خط و کتابت متعلقہ ذخیرۂ کتب حکیم محمد موسیٰ امرتسری''،

ص۔۲

۱۰۔ میاں محمد دین کلیم قادری ۱۹۱۷ء میں موضع دلیل پور، نزد کلانور اکبری، ضلع گورداسپور (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ آپ نے جی۔ ڈی۔ ہائی سکول میگنری سے ۱۹۳۵ء میں میٹرک کا امتحان درجہ اول میں پاس کیا۔ ۱۹۵۵ء میں ادیب فاضل کی سند پنجاب یونیورسٹی سے لی۔ اس سال (۱۹۵۵ء) ثانوی تعلیمی بورڈ پنجاب سے ایف۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۵۶ء میں جامعہ پنجاب ہی سے بی۔ اے (صرف انگریزی) کی ڈگری لی۔

قیام پاکستان کے وقت آپ کا خاندان پاکستان آ گیا۔ پہلے فیصل آباد اور پھر لاہور میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ میاں صاحب نے لاہور کارپوریشن میں سروس کر لی تھی۔ ۱۹۷۵ء میں سینئر اکاؤنٹنٹ کے منصب سے ریٹائر ہوئے۔ آپ کا انتقال ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو ہوا۔ آپ کو گڑھی شاہو کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ آپ نے متعدد تحریری آثار چھوڑے ہیں۔ ان میں سے بعض ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں۔

میاں محمد دین کلیم مرحوم کا ذخیرۂ کتب ان کے ورثاء نے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو بطور عطیہ دے دیا تھا۔ یہ ڈیڑھ ہزار مجلدات پر مشتمل ہے۔ یہ جون ۱۹۹۱ء میں لائبریری میں منتقل ہوا تھا۔ میاں صاحب کے ورثاء کو حکیم صاحب نے ترغیب دلائی تھی کہ کلیم صاحب کا کتب خانہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو تحفۃً دے دیں۔ آخر حکیم صاحب کی کوشش بار آور ثابت ہوئی۔ اس طرح یہ ذخیرۂ کتب محفوظ ہو گیا۔ (بحوالہ سید جمیل احمد رضوی، ''پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ذاتی ذخائر کتب'' مشمولہ سہ ماہی خبرنامہ پاکستان لائبریری ایسوسی ایشن (پنجاب)، جلد ۳، شمارہ ۳۔۴ (۱۹۹۳ء) ۲۶

۱۱۔ محمد دین کلیم، ''حضرت پیر بڈھن شاہ کلانوری''، مشمولہ نور اسلام، شرق پور، اولیائے نقشبند نمبر حصہ دوم، جلد ۲۴، شمارہ ۳۔۴ (مارچ۔ اپریل ۱۹۷۹ء) ۲۵۷

۱۲۔ محمد دین کلیم، ''سوانح حیات حضرت سید حاجی حسین شاہ قادری، کوٹ میاں صاحب، ضلع گورداسپور (بھارت)''، (غیر مطبوعہ)، ص۔ ۱۴۱

۱۳۔ ایضاً، ص۔۴۱

۱۴۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری، ''یادداشتیں'' (قلمی)، مخزونہ زیر شمارہ ۲۵۲۷۔

۱۵۔ سید جمیل احمد رضوی، ''فہرست ذخیرہ کتب حکیم محمد موسیٰ امرتسری (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری)'' (لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۰۱ء)، جلد چہارم، ص۔ ۳۰

۱۵۔ الف۔ قل خوانی دارالفیض گنج بخش لاہور کے زیر اہتمام ہوئی تھی۔

۱۶۔ سید جمیل احمد رضوی، ''حکیم محمد موسیٰ امرتسری''، مشمولہ ماہنامہ کنز الایمان، لاہور جلد ۱۰، شمارہ ۱۲ (جنوری ۲۰۰۱ء) ۴۷

۱۷۔ مسعود الحسن بٹ صاحب پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں جونیئر کلرک کی حیثیت سے ۲۰۰۰ء تک کام کرتے رہے۔ پھر اسی سال ان کا تبادلہ شعبہ امتحانات، جامعہ پنجاب میں ہوگیا۔ بٹ صاحب باقاعدگی کے ساتھ حکیم صاحب کے مطب سے کتابوں کے پیکٹ اٹھا کر لاتے رہے اور لائبریری میں پہنچاتے رہے۔ اس سلسلے میں ان کی خدمات بہت قابل ستائش ہیں۔ ان کی رہائش حکیم صاحب کے مطب کے قریب گوالمنڈی میں ہے۔

شکیل احمد صاحب کی تقرری چند ماہ کے لیے لائبریری اٹنڈنٹ کے طور پر ہوئی تھی۔ پھر اصل اہلکار رخصت گزار کر آ گئے اور یہ لائبریری سے فارغ ہو گئے۔

۱۸۔ ''فہرست ذخیرہ کتب حکیم محمد موسیٰ امرتسری'' کی چار جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ اس کی جلد اول مغربی پاکستان اردو اکیڈمی نے ۱۹۹۶ء میں شائع کی۔ اس کے ۹۰۴ صفحات ہیں۔ اس کی جلد دوم، سوم اور چہارم پنجاب یونیورسٹی نے علی الترتیب ۱۹۹۷ء، ۱۹۹۸ء اور ۲۰۰۱ء میں شائع کیں۔ ان کے صفحات کی تعداد ۳۲۰، ۵۲۰ اور ۳۵۲ ہے۔ یہ چاروں جلدیں راقم السطور نے مرتب کیں۔

۱۹۔ ہفتہ کو تاج کمپنی کے دفتر میں ایک آدمی بھیجا، لیکن ''بام عرش'' نہ مل سکی۔ حکیم صاحب نے یہ بات یاد رکھی۔ کئی ماہ کے بعد حکیم صاحب نے ایک پیکٹ میرے نام

بھیجا۔ اس کو کھول کر دیکھا، تو اس میں ''بامِ عرش'' کی پہلی طباعت کا ایک نسخہ تھا جو انہوں نے میرے ذاتی استعمال کے لیے ارسال کیا تھا۔

۲۰۔ میرے (راقم کے) دادا جی حکیم سید غلام علی رِضوی (وفات جنوری ۱۹۴۰ء) بن حکیم سید احمد علی فتح والہ مشمولہ کالا افغاناں، ضلع گورداسپور (مشرقی پنجاب، بھارت) میں پیدا ہوئے۔ چھ سال کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے پرائمری تک تعلیم مقامی سکول میں حاصل کی۔ پھر گھڑیاں کے بانگر (تحصیل بٹالہ) کے مولوی غلام رسول صاحب سے علم طب کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر آپ مکان شریف چلے گئے، وہاں مولوی علی محمد مرحوم سے عربی کی تعلیم حاصل کی۔ بعد میں آپ نے بٹالہ میں مولوی محمد صادق صاحب (پنشنر ریاست خیر پور) خلف مولوی گل علی ہمدانی سے طب اور عربی کی کتابیں پڑھیں۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر ان کو سند بھی دی تھی۔ آپ نے مولوی الٰہی بخش میاں کوٹی (مدفون پسرور) کو موجز سنائی تھی۔ آپ نے کچھ مدت کے لیے ڈیرہ بابا نانک اور بٹالہ میں حکیم کی سرکاری اسامیوں پر کام بھی کیا تھا۔ انہوں نے کلانور اور بٹالہ میں اپنا ذاتی مطب بھی قائم کیا تھا۔ فتح والہ میں بھی مطب چلاتے رہے۔ ان کا انتقال فتح والہ میں ہوا۔ مقامی مسجد کے باہر ان کی قبر بنائی گئی۔ مرحوم نے علم طب میں بہت شہرت حاصل کی۔ ان کے حالات اور مجربات حکیم مولوی علم الدین بھاگووالیہ کی کتاب: ''خزینۃ الاطباء المعروف بہ اسرار صدری مطبوعہ امرتسر (۱۹۲۲ء) میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

۲۱۔ راقم السطور کے والد حکیم سید بشیر احمد رِضوی (وفات ۱۰۔ فروری ۱۹۹۲ء)، فتح والہ مشمولہ کالا افغاناں، ضلع گورداسپور (مشرقی پنجاب۔ بھارت) میں ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے۔ پرائمری کا امتحان مقامی پرائمری سکول سے پاس کیا۔ پھر ورنیکلر مڈل سکول کلانور میں داخل ہوئے۔ آٹھویں جماعت میں تھے کہ سکول کی تعلیم ترک کر دی۔ پھر حافظ محمد دین کلانوری (وفات ۱۹۵۲ء) سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر مولوی الٰہی بخش صاحب میاں کوٹی سے بھی صرف ونحو کی تعلیم حاصل کی۔ اس سے

بعد کالا افغاناں چلے گئے اور وہاں مولوی میر حسن مرحوم سے گلستان، بوستان اور زلیخا جامی درساً پڑھیں۔ مولوی صاحب فارسی کے فاضل تھے اور بہت ہی پارسا اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ ان کے بہت سے روحانی واقعات کالا افغاناں کے معمر افراد بیان کیا کرتے تھے۔ کچھ دیر بٹالہ میں مشائخ فاضلیہ بٹالویہ کے مدرسہ میں بھی پڑھتے رہے۔ چند روز مکان شریف میں بھی پڑھتے رہے لیکن صحت کی خرابی کی وجہ سے واپس آ گئے۔ علم طب کی تعلیم آپ نے دادا جی (حکیم سید غلام علی مرحوم) سے حاصل کی۔ آپ ۱۹۴۷ء تک دلیل پور میں مطب کرتے رہے۔ آپ نے یہاں ایک ذاتی کتب خانہ بھی قائم کیا تھا جو ۱۹۴۷ء میں ضائع ہو گیا۔ قیام پاکستان کے بعد چک نمبر ۱۳۲ گ۔ ب (گوگیرہ برانچ) ضلع فیصل آباد میں مطب چلاتے رہے۔ طب کے شعبے میں آپ نے کافی شہرت حاصل کی۔ آپ کا انتقال اسی چک میں ۱۰۔ فروری ۱۹۹۲ء کو ہوا۔ اگلے روز ان کو مقامی قبرستان میں دفن کیا گیا۔

۲۲۔ اس سلسلے میں حکیم صاحب نے اپنے ذخیرۂ کتب کی ایک کتاب بعنوان: ''صرافی کی دوسری کتاب'' (شمارہ ۹۴۰۷) پر ایک نوٹ بھی لکھا ہے۔ اس کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

احقر نے محمد شفیع پاندہ مرحوم (مدفون ملتان) جو چوک پاسیاں امرتسر میں پڑھاتے تھے، سے لنڈے پڑھے تھے۔ ان کے پڑھنے کی ضرورت یہ تھی کہ امرتسر کے ہندو بہی کھاتے اسی زبان میں لکھتے تھے۔ لہٰذا ان کے حساب کتاب کو سمجھنے کے لیے اس کا جاننا ضروری تھا، مگر افسوس کہ اب میں یہ سب کچھ بھول گیا ہوں۔

محمد موسیٰ عفی عنہ

حضرت لاہور

یکم جنوری ۱۹۹۸ء

۲۳۔اس کو حسن اتفاق کہیے کہ اب صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی کے نام کا ایک گوشہ بھی لائبریری میں قائم ہو چکا ہے۔میاں صاحب نے آستانہ عالیہ، شرق پور شریف کی تمام کتب یونیورسٹی لائبریری کو بطور عطیہ عنایت کر دیں۔ یہ ذخیرہ کتب ۹۔اگست ۲۰۰۱ء کو لائبریری میں منتقل ہوا۔اس میں کتابوں کی کل تعداد ۵۲۵۰ (بشمول جلدیں و نسخے) ہے۔میاں صاحب کی خواہش تھی کہ اس کی فہرست راقم السطور مرتب کرے۔اس وقت میری ریٹائرمنٹ بھی قریب تھی (تاریخ ریٹائرمنٹ :۹۔اکتوبر ۲۰۰۱ء بعد دوپہر) میں نے میاں صاحب سے فہرست سازی کا وعدہ کر لیا۔ چنانچہ میاں صاحب نے میری معاونت کے لیے جناب محمد معروف احمد صاحب کو مامور کیا۔ہم دونوں نے مل کر اشتراک عمل سے اس ذخیرے کی فرست کو مرتب کیا جس کو پنجاب یونیورسٹی نے ۲۰۰۲ء میں شائع کر دیا۔اس کی ضخامت ۵۲۷ صفحات ہے اور اس میں ۴۷۴۷ کتب کی کتابیاتی تفاصیل درج کی گئی ہیں۔ وقت کی کمی کی وجہ سے ۵۰۳ کتب اس میں شامل نہ ہوسکیں۔ یہ ان شاءاللہ جلد دوم میں شامل کرنے کا ارادہ ہے، کیونکہ میاں صاحب تین ہزار کے قریب اور کتابیں یونیورسٹی کو تحفۃً دینا چاہتے ہیں اور ان کی یہ بھی خواہش ہے کہ اس فہرست: ''فہرست ذخیرہ کتب صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی، مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور'' کی دوسری جلد بھی شائع ہو۔

۲۴۔یہ رسالہ بعنوان: ''تسفیر الغبس (عن) تفسیر سورہ عبس''، حکیم صاحب کے ذخیرے میں زیر شمارہ ۷۸۶ا محفوظ ہے۔

۲۵۔یہ رسالہ: ''القضایا النقایا (فی) العطایا البقایا'' کے عنوان سے حکیم صاحب کے ذخیرے میں زیر شمارہ ۱۹۵۹ موجود ہے۔اس کے سرورق پر درج ذیل توضیح کی گئی ہے:۔

''اس رسالہ میں بالعموم انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور بالخصوص محمد رسول

اللہ ﷺ کے ذرائع معاش وترکات وراثت ونیز جو علمائے امت طے کردہ مشاہرہ یا کہ بے تنخواہ یا کہ بے تنخواہ عطایا لے کر تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کرتے ہوں، ان کے ترکہ و وراثت پر بتفصیل و دلائل بحث و تمحیص کی گئی ہے اور سوال و جواب کی صورت میں مضمون کو اچھی طرح واضح کیا گیا ہے۔"

۲۶۔ محمد صدیق مرحوم لائبریری میں لائبریری اٹنڈنٹ تھے۔ ان کی رہائش بھلہ سٹاپ، ملتان روڈ، لاہور کے قریب تھی۔ ان کے والد غلام رسول صاحب پنجاب یونیورسٹی سے ریٹائر ہوئے تھے۔ محمد صدیق صاحب کا انتقال قریباً گیارہ سال قبل ہو گیا تھا۔

۲۷۔ علامہ محمد عالم آسی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ رسالہ بعنوان: تذکرہ آسی رحمۃ اللہ علیہ" ذخیرہ حکیم صاحب میں زیر شمارہ ۱۰۳۶ موجود ہے۔ اس میں دو مضامین شامل ہیں: تذکرہ آسی رحمۃ اللہ علیہ" از مولوی حکیم محبوب عالم برادر خورد مولانا آسی۔ اور دوسرا مضمون حکیم محمد حسین عرشی نے تحریر کیا ہے۔ اس کا عنوان: "سوانح مولانا محمد عالم آسی"۔

۲۸۔ جناب نصیر احمد خان والد کالے خان مرحوم چک نمبر ۱۳۲۔ گ۔ب (گوگیرہ برانچ) ضلع فیصل آباد میں مقیم ہیں۔ اسی طرح محترم محمد ریاض احمد خان ولد محمد نواز احمد خان مرحوم کا تعلق بھی اسی چک سے ہے۔ ان کی زرعی زمین اسی گاؤں میں ہے۔ ان کی موجودہ رہائش ماڈل ٹاؤن، لاہور میں ہے۔

۲۹۔ والد صاحب حکیم سید بشیر احمد رضوی کو بعد میں فالج کا عارضہ ہو گیا تھا۔ کبھی افاقہ ہو جاتا، پھر یہ مرض عود کر آتا۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی شفقت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اکثر والد صاحب کی صحت کے بارے میں پوچھتے رہتے یہاں تک کہ آپ نے مجھے ذخیرۂ کتب کی منتقلی کے بعد متعدد خطوط یونیورسٹی کے پتے پر ارسال کیے۔ ان میں تین خطوط ایسے ہیں جن میں والد صاحب کی صحت کے

بارے میں پوچھا گیا ہے۔ان میں سے ایک مکتوب ۲۸۔جنوری ۱۹۹۰ء کا ہے۔اس میں آپ نے ایک فقرہ یہ لکھا ہے:''محترم والد ماجد کا کیا حال ہے''؟۔ایک اور مکتوب ۱۸۔فروری ۱۹۹۰ء کا ہے۔اس میں آپ نے یہ فقرہ تحریر کیا:''محترم والد صاحب کا کیا حال ہے؟''،۱۱۔اپریل ۱۹۹۰ء کے گرامی نامہ میں یہ فقرہ موجود ہے:''امید ہے آپ کے والد ماجد صحت یاب ہو چکے ہوں گے۔'' یہ خطوط پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود فائل بعنوان:''خط و کتابت متعلقہ ذخیرہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری'' کے ان صفحات پر موجود ہیں:۲۱،۲۶اور ۳۵۔

۳۰۔اب حافظ آباد کو ضلع کا درجہ حاصل ہے۔

۳۰۔الف۔ڈاکٹر پیر محمد حسن (۱۹۰۴ء۔۱۹۹۹ء) ۴ مارچ ۱۹۰۴ء کو امرتسر (مشرقی پنجاب۔ بھارت) میں پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام پیر محمد حسین تھا۔ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۳۰ء میں ایم۔اے (عربی) کی ڈگری لی اور طلائی تمغہ بھی حاصل کیا۔انہوں نے ۱۹۳۸ء میں اسی یونیورسٹی سے پی ایچ۔ڈی (عربی) کی ڈگری حاصل کی۔حصول تعلیم کے بعد مختلف سرکاری کالجوں میں لیکچرار کی حیثیت سے خدمات انجام دیں اور بطور پرنسپل ۱۹۵۹ء میں ریٹائر ہوئے۔پھر شیخ الادب جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں رہے۔۱۹۷۰ء میں وہاں سے فراغت پائی۔لیکن درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا کام تاحیات جاری رہا۔

ڈاکٹر صاحب نے بہت سے علمی اور تحقیقی تحریری آثار چھوڑے ہیں۔چند کے نام یہاں پر درج کیے جاتے ہیں: تنقید بر قصیدہ اعجازیہ از مرزا غلام احمد قادیانی، یہ ''الفقیہ'' امرتسر میں سات قسطوں میں شائع ہوئی۔حیاتِ جاوداں (جس میں انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے زندۂ جاوید ہونے پر بحث کی گئی ہے)،مرقاۃ العربیۃ ابتدائی عربی گرامر۔انہوں نے کئی کتابوں کے عربی سے اردو میں ترجمے بھی کیے ہیں، ان میں ترجمہ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری، بلوغ

الارب از محمود شکری آلوسی، کتاب اللمع از ابونصر سراج طوسی معروف ہیں۔ان کے علاوہ پیر صاحب نے حسن بن محمد الصغانی (م ۶۵۰ھ) کی معروف عربی لغت: ''العباب الزاخر'' کو کئی سالوں کی محنت کے بعد مرتب کیا جس کو ہجرہ کونسل، اسلام آباد نے شائع کرنا شروع کیا۔ بعد میں یہ منصوبہ ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کے حوالے کر دیا گیا۔اس کتاب کی طباعت مکمل ہو چکی ہے، لیکن شنید ہے کہ ابھی تک یہ افادۂ عام کے لیے منظر عام پر نہیں لائی گئی۔ڈاکٹر پیر محمد حسن کا انتقال اسلام آباد میں ہوا اور ان کا مدفن اسی مقام پر ہے۔

یہ معلومات اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد دوم مطبوعہ لاہور (۱۹۸۷ء) سے لی گئی ہیں۔محمد عالم مختار حق صاحب اور ڈاکٹر خورشید رضوی صاحب نے بھی بعض معلومات فراہم کی ہیں۔

۳۱۔حضرت آسی کے حالات پر متعدد مقالات طبع ہو چکے ہیں اور ان پر ایم۔اے (عربی) کا ایک مبسوط مقالہ عربی میں لکھا گیا ہے۔(بحوالہ معدن التواریخ از ابوالطاہر فدا حسین فدا مطبوعہ ادارہ معارف نعمانیہ، لاہور (۱۹۹۲ء) ص۔۱۳۔

راقم السطور نے بھی علامہ آسی پر ایک مقالہ لکھا ہے۔اس کا حوالہ درج ذیل ہے:۔

سید جمیل احمد رضوی ''حکیم محمد موسیٰ کے استاد گرامی''مشمولہ ماہنامہ جہانِ رضا، لاہور: حکیم محمد موسیٰ امرتسری پر خصوصی نمبر، جلد ۹، شمارہ ۹ (اکتوبر، نومبر ۲۰۰۰ء، شعبان رمضان ۱۴۲۱ھ) ۲۳۲۔251

۳۲۔اس کے بعد قریباً ایک ہفتہ فہرست سازی کا کام جاری رہا۔حکیم صاحب اہتمام کے ساتھ ہر روز کوئلے انگیٹھی میں روشن کرواتے اور ایک محفوظ مقام پر رکھوا دیتے تاکہ سردی کا اثر کم ہو۔ایک روز میں صبح آتے ہی اوپر لائبریری والے حصے میں چلا گیا اور کام شروع کر دیا۔کچھ دیر کے بعد میں اچانک سیڑھیاں اتر کر مطب والے

حصے میں آیا تو یہ دیکھ کر بہت زیادہ حیران ہوا کہ حکیم صاحب بنفس نفیس کوئلوں کو دستی پنکھے سے ہوا دے کر روشن کر رہے ہیں۔ میں نے کہا حکیم صاحب آپ یہ تکلیف کیوں کر رہے ہیں۔ فرمانے لگے، کوئی بات نہیں۔ (بابا جی باز خاں شاید کہیں گئے ہوئے تھے) چنانچہ آپ کوئلے روشن کرنے میں مصروف رہے۔ حکیم صاحب احترام آدمی کے نظریے پر سختی سے عمل پیرا تھے، صرف زبانی نہیں بلکہ ان کے عمل سے اس کا اظہار ہوتا تھا۔ احترام آدمی اور انسانی خدمت کے مظاہر ان کے عمل سے دیکھے جا سکتے تھے۔ علامہ اقبال نے اس بارے میں کہا ہے۔

آدمیت احترام آدمی
باخبر شو از مقام آدمی

ان کی تربیت کا یہ انداز تھا جس سے حلقۂ موسوی کے نیاز مند غیر شعوری طور پر مستفید ہوتے تھے۔

۳۳۔ ڈاکٹر ساجدہ علوی صاحبہ، انسٹیٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز، میکگل یونیورسٹی مانٹریال (کینیڈا) میں تاریخ کی پروفیسر ہیں۔ یہ نقشبندی مشائخ پر تحقیق کے سلسلے میں لاہور آئی ہوئی تھیں۔ لائبریری میں میری ان سے ملاقات ہوئی۔ غالباً سال ۱۹۸۹ء تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ اس تحقیق کے سلسلے میں حکیم محمد موسیٰ امرتسری (۵۵۔ ریلوے روڈ، لاہور) سے ضرور ملیں۔ چنانچہ ایک روز پروفیسر صاحبہ مطب میں آ گئیں اور حکیم صاحب سے ان کی ملاقات ہوئی۔ اس وقت فہرست سازی کے سلسلے میں، میں بھی وہاں موجود تھا۔ حکیم صاحب نے صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی سے متعلقہ کتب منگوا کر دی تھیں۔ پروفیسر صاحبہ ہر سال لاہور آتیں، لائبریری میں ان سے ملاقات ہوتی۔ وہ حکیم صاحب سے ملاقات کے لیے بھی ان کے مطب میں حاضر ہوتیں۔ دسمبر ۱۹۹۹ء میں میری ان سے ملاقات لائبریری میں ہوئی۔ حکیم صاحب کی وفات کا ذکر ہوا۔ میں نے ان سے کہا آپ حکیم صاحب کے متعلق ایک تعزیتی مکتوب لکھ کر بھجوا دیں، شائع ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں

نے ایک چٹھی لکھ کر مجھے پہنچا دی۔ میں نے ابوالطاہر فدا حسین فدا صاحب کے پاس بھجوا دی۔ چنانچہ یہ مکتوب ماہنامہ ''مہر و ماہ'' لاہور کے خصوصی نمبر ''یادگار موسیٰ'' (جنوری۔فروری ۲۰۰۱ء) میں صفحہ ۲۰۴ اور ۲۰۵ پر شائع ہو گیا۔ ان کے مکتوب کا ایک اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

''امسال (۱۹۹۹ء) ۷۔دسمبر کی صبح میں مانٹریال سے لاہور پہنچی اور آتے ہی حسب معمول میں نے اپنے عزیزوں سے حکیم صاحب کے مطب جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو مجھے حکیم صاحب کی رحلت کی افسوس ناک خبر ملی، بہت صدمہ ہوا، ان سے نہ مل سکنے کی وجہ سے میرا یہ سفر ادھورا لگتا ہے۔ ایک تشنگی سی ہے۔ بے شک علم و دانش کی ایک شمع بجھ گئی ہے۔ ان صوفیانہ مشرب عالم کی رحلت سے لاہور میں دینی و علمی حلقوں کی رونق ماند پڑ گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس خیال سے تقویت پہنچی ہے کہ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میں ان سے ملی اور ان سے مستفیض ہوئی اور ان کے ساتھ ملاقاتوں کی خوبصورت یادیں میرے دل و دماغ میں محفوظ ہیں۔''

۳۴۔ یہ کتاب غالباً ''خلافت پاکستان'' کے عنوان سے ہے جو حکیم صاحب کے ذخیرہ میں زیر شمارہ ۳۲۷۳ موجود ہے۔

۳۵۔ مولوی محرم علی چشتی مرحوم کی خدمات کے لیے درج ذیل کتاب کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا:۔

محمد امین گیلانی، سید۔ پہلی سہ سالہ پنجاب کونسل میں مولوی محرم علی چشتی کی پبلک خدمات۔ لاہور: مؤلف، ۱۹۲۳ء (؟)۔ ۱۱۰ص۔

یہ کتاب حکیم صاحب کے ذخیرے میں زیر شمارہ ۶۰۵۶ فوٹو کاپی کی صورت میں محفوظ ہے۔ اس کتاب کے ''دیباچہ'' کے صفحات میں سے ذیل کا اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔

''چشتی صاحب (مولوی محرم علی چشتی) گزشتہ زائد از چالیس سال سے بحیثیت ایک پبلک لیڈر نہ صرف پولیٹکل معاملات میں بلکہ ہر ایک قسم

کے سوشل اور مذہبی اور علمی شعبوں میں کام کرتے رہے ہیں۔ لیکن ان مدت العمر کی خدمات کو اس مختصر رسالہ میں ہم اس لیے نظرانداز کرتے ہیں کہ ان کی تفصیل کے لیے کئی کئی جلدوں کی بڑی بڑی ضخیم کتابیں ہونی چاہئیں۔

ہم نے صرف اس امر پر قناعت کی ہے کہ گزشتہ تین سال میں بحیثیت ممبر کونسل چشتی صاحب نے جو کام کیے ہیں، ان کا ایک مختصر خلاصہ پبلک کے سامنے پیش کردیں۔" (ص:۳۔۴)

پروفیسر محمد اسلم اپنی کتاب: "سفر نامۂ ہند" مطبوعہ ریاض برادرز، لاہور (۱۹۹۵ء) کے صفحات ۱۶۶۔۱۶۷ پر مولوی محرم علی کی قبر کی تلاش کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"مجھے دہلی میں مولوی محرم علی چشتی لاہوری (م ۱۹۳۴ء) کی قبر کی تلاش تھی۔ تذکروں میں صرف اس قدر مرقوم ہے کہ ان کی قبر مستان شاہ کابلی کی درگاہ میں ہے۔ اب دہلی میں مستان شاہ کابلی کو کوئی نہیں جانتا۔ قدیم دہلی کو جاننے والے دو ہی بزرگ تھے، شاہ ابوالحسن اور علامہ اخلاق حسین دہلوی۔ راقم نے علامہ صاحب سے مستان شاہ کابلی کی درگاہ کا اتہ پتہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ موصوف قیام پاکستان کے بعد اس علاقے میں نہیں گئے۔ نوعمری میں وہ ایک بار اپنے والد بزرگوار کے ساتھ قدم شریف جاتے ہوئے مستان شاہ کابلی کی درگاہ کے پاس سے گزرے تھے۔ انہوں نے راقم کو بتایا کہ قدم شریف کی عمارت ایک قلعہ کے اندر ہے۔ میں قلعہ کے صدر دروازے سے آگے بڑھوں تو ایک اور دروازہ آئے گا۔ اس دروازے سے گزرتے ہی بائیں ہاتھ مستان شاہ کابلی کی درگاہ ہے۔

میں اگلے روز وہاں گیا تو میں نے دیکھا کہ دوسرے دروازے کے

دونوں جانب مکانات بنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بیشتر مکانات نئے ہیں۔ ان مکانوں کے باہر جن سفید پتھروں پر مالکان مکانات کے نام لکھے ہوئے ہیں، وہ یقیناً قبروں کی الواح کے ٹکڑے ہیں۔ مجھے وہاں کوئی درگاہ نظر نہیں آئی۔ اس محلے میں ایک مسلمان درزی اپنی دکان میں بیٹھا اپنے کام میں مصروف تھا۔ میں نے اس سے مستان شاہ کابلی کی درگاہ کے بارے میں استفسار کیا تو اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ درزی نے مجھے قدم شریف کے متولی سے رابطہ قائم کرنے کا مشورہ دیا۔ میں نے قدم شریف کا دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک بچہ باہر نکلا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ کسی بڑے بزرگ کو باہر بھیجے۔ تھوڑی دیر بعد اس کا والد باہر آیا۔ میں نے اس سے مستان شاہ کابلی کی درگاہ کے بارے میں استفسار کیا تو اس نے کہا کہ اس کے والد ان چیزوں سے واقف تھے، وہ کراچی جا چکے ہیں، اس لیے وہ کچھ بتانے سے قاصر ہے۔ اس نے کہا کہ میں برابر والے محلے میں اس درگاہ کے بارے میں استفسار کروں۔ میں اس کی ہدایت پر برابر والے محلے میں گیا تو وہاں کے ساکنوں نے مجھے بتایا کہ اس محلے میں کوئی درگاہ نہیں ہے۔ میں دوبارہ اس درزی کے پاس آیا تو اس نے ایک مکان کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا کہ وہاں ایک معمر خاتون رہتی ہے جو اسی محلے میں پیدا ہوئی تھی اور یہیں بیاہی گئی تھی۔ وہ میری مدد کر سکتی ہے۔

درزی کی نشاندہی پر میں نے اس خاتون کو تلاش کر لیا۔ جب میں نے اس سے مستان شاہ کابلی کی درگاہ کے بارے میں سوال کیا تو اس نے مجھ سے پوچھا: ''چستی کی قبر ڈھونڈ و ہو؟'' میں نے اثبات میں جواب دیا اور مجھے اس پر خوشی ہوئی کہ میری مشکل حل ہونے والی ہے۔ بڑی بی مجھے لے کر ایک مکان تک گئی۔ وہ مکان گلی کی سطح سے تین چار فٹ بلند تھا اور

مالک مکان کی نو دس سالہ بیٹی دروازے میں کھڑی تھی۔ بڑی بی نے مجھے بتایا کہ یہ مکان اس تہ خانے کے اوپر تعمیر کیا گیا ہے جس میں مستان شاہ کابلی مدفون ہیں۔ جہاں مکان کے صحن تک پہنچنے کے لیے سیڑھیاں بنائی گئی ہیں، وہیں اس تہ خانے تک جانے کا راستہ تھا۔ بڑی بی کی اس وضاحت کے بعد میری کامل تشفی ہوگئی کہ چشتی اس مکان کے نیچے ابدی نیند سو رہا ہے۔ حالی نے ایسے ہی موقع پر کہا تھا:

لے کے داغ آئے گا سینہ پہ بہت اے سیاح
دیکھو اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز

۳۶۔ سید سرفراز علی زیدی صاحب حکیم صاحب کے خاص نیازمند اور معتمد کی حیثیت سے خدمات بجا لاتے رہے۔ ان دنوں ہائر سیکنڈری سکول، گھوڑے شاہ، لاہور میں علوم اسلامیہ کے لیکچرار ہیں۔

۳۷۔ غالباً اس روز مطب میں متین کاشمیری صاحب بھی موجود تھے۔ ان کے ہاتھ میں ایک کاپی (نوٹ بک) تھی جس میں وہ ان ذی علم حضرات کی فہرست مکمل کر رہے تھے جو حکیم صاحب کے مطب میں آتے رہے ہیں یا اب بھی آتے ہیں۔ ان سے اس بارے میں میری بھی بات ہوئی تھی اور میاں زبیر احمد صاحب اور محمد ریاض ہمایوں سعیدی صاحب بھی زیر حوالہ موضوع پر ان سے گفتگو کرتے رہے۔ متین کاشمیری صاحب بہت مستعد نوجوان ہیں جو حکیم صاحب کے مطب میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ حکیم صاحب کی راہنمائی میں انہوں نے کئی علمی کام کیے ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب: ''احوال و آثار حضرت علامہ عبدالعزیز پرہاروی چشتی نظامی قدس سرہ ۱۲۰۶ھ/۱۷۹۲ء تا ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء'' شائع ہو چکی ہے۔ اس کو مجلس خدام الاسلام، لاہور نے ۱۹۹۳ء میں شائع کیا۔ اس کا انتساب حکیم صاحب کے نام ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سید جمیل احمد رِضوی
(مختصر سوانحی حالات)

تحریر: میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی قادری ضیائی

ابتدائی حالات

سید جمیل احمد رِضوی ۱۰۔ اکتوبر ۱۹۴۱ء کو حکیم سید بشیر احمد رِضوی (وفات۔ ۱۰ فروری ۱۹۹۲ء) کے ہاں موضع دلیل پور، نزد کلانور اکبری، ضلع گورداسپور (مشرقی پنجاب۔ بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں اپنے خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے سرزمین پاکستان میں آ گئے اور فیصل آباد کے ایک گاؤں چک نمبر ۱۳۲، گ۔ ب (گوگیرہ برانچ) میں آباد ہو گئے۔ اس گاؤں میں افغان، آرائیں اور جٹ خاندانوں کے لوگ ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے آباد ہو گئے تھے۔ چند مسلمان خاندان قیام پاکستان سے پہلے بھی یہاں رہائش پذیر تھے۔

تعلیم و اساتذہ

رِضوی صاحب کی تعلیم گاؤں کے مقامی پرائمری سکول میں شروع ہوئی۔ پرائمری کا امتحان پاس کرنے کے بعد آپ قریبی چک نمبر ۱۳۰ (بلوچ والا) میں داخل ہو گئے۔ وہاں سے مڈل کا امتحان ۱۹۵۵ء میں امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ پرائمری کے معروف استاد سید محبوب علی مرحوم تھے۔ وہ اپنے شاگردوں کو انتہائی محنت اور لگن کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ مڈل کے درجے میں معروف استاد عبدالغنی خان مرحوم اور محمد نواز احمد خان مرحوم تھے۔ یہ بھی اپنے طلبہ کو بہت محنت اور تندہی سے پڑھاتے

تھے۔ اسی دوران رضوی صاحب نے گھر میں اپنے والد صاحب سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ کریما، پند نامہ اور گلستان سعدی کا ابتدائی حصہ۔ اس کے بعد آپ ایم۔ بی۔ ہائی سکول تاندلیانوالہ، ضلع فیصل آباد میں داخل ہو گئے اور میٹرک کا امتحان ۱۹۵۷ء میں امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ سکول بھر میں اول پوزیشن حاصل کی۔ اساتذہ میں چوہدری غلام علی مرحوم (ہیڈ ماسٹر)، رانا عبدالحکیم خان مرحوم، چوہدری برکت علی مرحوم، نادر جاجوی صاحب، محمد اقبال صاحب اور مولوی فقیر محمد صاحب تھے۔ اسی دوران (۱۹۵۵ء تا ۱۹۵۷ء) تاندلیانوالہ میں مدرسہ نظامیہ عربیہ میں نماز عصر کے بعد حاضر ہوتے اور مدرسہ کے مہتمم مولوی عبدالقوی سونی پتی مرحوم (وفات ۱۱ فروری ۲۰۰۲ء) سے گلستان سعدی مکمل اور بوستان سعدی کے چند باب بھی پڑھے۔

پھر ۱۹۵۷ء میں گورنمنٹ ڈگری کالج لائل پور (حال فیصل آباد) میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۹ء میں ایف ایس سی (نان میڈیکل) کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ پھر اسی کالج سے ۱۹۶۱ء میں بی۔ اے (آنرز) کا امتحان پاس کیا۔ اس کالج میں ایف ایس سی اور بی۔ اے کے درجوں میں میرٹ سرٹیفکیٹ بھی حاصل کیے۔ اور بی۔ اے کی فارسی کلاسوں میں اول انعام بھی حاصل کیا۔ کالج کے اساتذہ میں سے مشہور نام پروفیسر حمید عسکری مرحوم (وفات ۱۹۷۱ء)، پروفیسر افتخار احمد چشتی مرحوم (وفات ۲۰۰۱ء)، پروفیسر زیڈ۔ ڈی۔ قریشی مرحوم (ظہیر الدین قریشی)، پروفیسر منظور حسین شعور (علیگ) مرحوم اور پروفیسر ڈاکٹر عبد اللطیف مرحوم تھے۔ کالج کے پرنسپل پروفیسر کرامت حسین جعفری مرحوم (وفات ۱۹۷۶ء) تھے۔

اس کے بعد ۱۹۶۱ء میں قریباً سات آٹھ ماہ ایم۔ بی ہائی سکول تاندلیانوالہ، ضلع فیصل آباد میں پڑھایا۔ پھر رضوی صاحب نے ستمبر ۱۹۶۲ء میں شعبۂ لائبریری سائنس، پنجاب یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۳ء میں لائبریری سائنس میں پوسٹ

گریجوایٹ ڈپلوما کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ یونیورسٹی میں ان کی دوسری پوزیشن تھی۔ معروف اساتذہ کے نام یہ ہیں: جناب اے۔ رحیم (عبدالرحیم صاحب)، خواجہ نور الٰہی مرحوم (وفات ۱۹۷۴ء)، جی۔ آر۔ شاہ (غلام رسول شاہ مرحوم) (وفات ۱۹۷۴ء) اور امریکی فل برائٹ پروفیسر مس شمٹ (Miss Schmidt)

۱۹۶۷ء میں ایم۔ اے (عربی) کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے (بطور پرائیویٹ امیدوار) پاس کیا۔ رضوی صاحب نے عربی زبان و ادب کی تعلیم ان اساتذہ سے حاصل کی: (۱) مولوی غلام ربانی کشمیری، استاد، مدرسہ نظامیہ تاندلیانوالہ، ضلع فیصل آباد (۲) مولوی فدا حسین صاحب، لاہور (۳) مولوی محبت نبی صاحب، لاہور، (۴) مولوی کفایت اللہ صاحب، لاہور (۵) مولوی محمد جمیل صاحب (آجکل کراچی میں کسی کالج میں عربی اور علوم اسلامیہ کے استاد ہیں)، (۶) پروفیسر ڈاکٹر محمد ضیاء الحق صوفی (وفات ۱۹۸۹ء)، سابق صدر شعبہ عربی، گورنمنٹ کالج، لاہور (حماسہ کے چند مشکل مقامات ان سے پڑھے تھے)، (۷) محمد اقبال ندوی صاحب، انارکلی، لاہور (ان سے حدیث کی کتاب ریاض الصالحین از علامہ نووی درساً پڑھی)۔

پھر رضوی صاحب نے ۱۹۷۴ء میں جامعہ پنجاب کے شعبہ لائبریری سائنس میں ایم۔ اے (لائبریری سائنس) میں داخلہ لیا۔ یہ اس شعبے کی ایم۔ اے کی پہلی کلاس تھی۔ ۱۹۷۵ء میں امتحان ہو گیا۔ فروری ۱۹۷۶ء میں نتیجہ نکلا۔ انہوں نے یہ امتحان درجہ اول میں امتیازی حیثیت سے پاس کر لیا۔ اساتذہ کے نام یہ ہیں: جناب اے رحیم (عبدالرحیم صاحب) ڈاکٹر ممتاز علی انور صاحب، ملک بشیر علی خان صاحب اور ملک مشتاق احمد صاحب۔

سروس

رضوی صاحب نے ۲۳۔ جولائی ۱۹۶۳ء کو پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں سروس اختیار کر لی۔ انہوں نے لائبریری میں مختلف حیثیتوں سے کام کیا۔ اس ریکارڈ

کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

۱۔لائبریری اسسٹنٹ (از ۲۳۔جولائی ۱۹۶۳ء تا ۱۹۔فروری ۱۹۷۱)

۲۔اسسٹنٹ انچارج (سیکشن) (از ۲۰۔فروری ۱۹۷۱ء تا ۳۱۔مئی ۱۹۷۶ء)

۳۔اسسٹنٹ لائبریرین (از یکم جون ۱۹۷۶ء تا ۲۴۔اپریل ۱۹۸۲ء)

۴۔ڈپٹی چیف لائبریرین (از ۲۵۔اپریل ۱۹۸۲ء تا ۱۲۔فروری ۱۹۹۵ء)

۵۔چیف لائبریرین (۱۳۔فروری ۱۹۹۵ء تا ۹۔اکتوبر ۲۰۰۱ء)

تدریس

رِضوی صاحب شعبہ لائبریری سائنس، جامعہ پنجاب میں ۱۹۷۶ء سے لے کر ۱۹۸۷ء تک مسلسل جز وقتی لیکچرار کی حیثیت سے پڑھاتے بھی رہے۔ پہلے دو سال ایم۔اے (لائبریری سائنس) کی سال اول کی کلاس کو پڑھایا۔ بعد میں ایم۔اے (سال دوم) کی کلاس کو پڑھایا۔اس دوران مختلف مضامین کی تدریس کرتے رہے۔ ۱۹۸۸ء سے لے کر ۱۹۹۲ء تک علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی بی۔اے کی کلاس (سرٹیفکیٹ، لائبریری سائنس) کے لیے'' خدمات کتب خانہ'' کا کورس پڑھاتے رہے۔اس کلاس کا نظم ونسق یونیورسٹی کے ریجنل آفس، لاہور کے تحت ہوتا ہے۔

تصنیف وتالیف

رِضوی صاحب کی اب تک قریباً بائیس کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ان میں سے منتخب کتب کے نام یہ ہیں: پنجاب یونیورسٹی اور اقبال (۱۹۷۷ء)، تھیسیز آن اقبال Theses on Iqbal (۱۹۷۷ء)، معجم مصادر اسلامی (کتاب الحوالہ)، (۱۹۸۳ء)، شرح غرر الحکم و درر الکلم، ارشادات حضرت علی علیہ السلام (۱۹۸۰ء)، لائبریرین شپ کی عمرانی بنیادیں (۱۹۸۰ء)، ذخیرۂ شیرانی میں اردو مخطوطات (۱۹۸۶ء)، لائبری سائنس اور اصول تحقیق (۱۹۸۷ء)، ڈاکٹر سید عبد اللہ۔کتابیات (۱۹۸۹ء)، شجرہ نسب سادات رِضویہ (سابق مقیم کالا افغاناں، ضلع گورداسپور) (۱۹۹۴ء)، توضیحی کتابیات ابلاغیات (۱۹۹۷ء)، فہرست ذخیرۂ کتب

حکیم محمد موسیٰ امرتسری (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری)،(۱۹۹۶ء تا ۲۰۰۱ء چار جلدوں میں)، معجزات معصومین علیہم السلام (۱۹۹۶ء)، فہرست ذخیرۂ کتب صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) (۲۰۰۲ء) ۔ ان کی چار کتابیں ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں ۔ آٹھ کتابیں ایسی ہیں جن میں ان کے مقالات شامل کیے گئے ہیں یعنی ان میں رضوی صاحب کی حیثیت شریک مصنف / مرتب کی ہے ۔

رضوی صاحب کے پچاس سے زائد تحقیقی مقالات مختلف رسائل میں شائع ہو چکے ہیں ۔ ان کے بیس سے زیادہ کتابوں پر تبصرے مختلف مجلات میں شائع ہو چکے ہیں ۔

دیگر مصروفیات

ان کی پیشہ وارانہ (Professional) مصروفیات کا ایک منتخب خاکہ ذیل میں دیا جاتا ہے ۔ اس کی تفصیل ان کے Bio-Data مطبوعہ ۱۹۷۷ء میں دیکھی جا سکتی ہے (۱)

نائب صدر، پنجاب یونیورسٹی لائبریریز آرگنائزیشن (۱۹۷۵ء ۔ ۱۹۷۷ء)، رکن مجلس عاملہ، پاکستان لائبریری ایسوسی ایشن، پنجاب برانچ (۱۹۷۷ء ۔ ۱۹۷۸ء) ، وائس پریذیڈنٹ، پاکستان لائبریری ایسوسی ایشن (پنجاب برانچ) (۱۹۸۰ء ۔ ۱۹۸۶ء ، ۱۹۹۲ء ۔ ۱۹۹۴ء) پریذیڈنٹ، پاکستان لائبریری ایسوسی ایشن (پنجاب برانچ) (۱۹۹۴ء ۔ ۱۹۹۵ء) ، رکن مجلس انتظامیہ ، پنجاب پبلک لائبریری، لاہور (۱۹۸۰ء ۔ ۱۹۸۱ء) ، نائب صدر، پنجاب یونیورسٹی لائبریری سائنس المنائی ایسوسی ایشن (۱۹۸۹ء ۔ ۱۹۹۰ء ۔) صدر، پنجاب یونیورسٹی لائبریری سائنس المنائی ایسوسی ایشن (۱۹۹۲ء ۔)، رکن ادارتی مجلس مشاورت ، پی ایل بی (پاکستان لائبریری بلیٹن، کراچی) (۱۹۸۸ء ۔) ، رکن مجلس یادگار شیرانی، لاہور (۱۹۸۲ء)، ممتحن مقالات شعبہ لائبریری سائنس شعبہ اردو اور شعبۂ پنجابی ، جامعہ پنجاب، لاہور،

رکن بورڈ آف سٹیڈیز، شعبہ لائبریری سائنس، جامعہ پنجاب، لاہور (۱۹۹۶ء ـ۱۹۹۷ء)، رکن (بحیثیت عہدہ) اکیڈیمک کونسل، جامعہ پنجاب، لاہور (۱۹۹۵ء ـ۲۰۰۱ء)، سیکرٹری (بلحاظ عہدہ) پنجاب یونیورسٹی لائبریری کمیٹی، لاہور (۱۹۹۵ءـ ۲۰۰۱ء) انٹرنیشنل بائیو گرافیکل سنٹر کیمبرج، انگلینڈ نے سال ۱۹۹۶ءـ۱۹۹۷ء کی عالمی شخصیت(International Man of the year) قرار دیا۔

دوسرے اعزازات

صرف چند کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

۱ـ ۱۹۹۴ء میں پاکستان لائبریری ایسوسی ایشن (ہیڈ کوارٹر) نے لائبریرین شپ کے شعبے میں نمایاں خدمات پر امتیازی شیلڈ پیش کی۔

۲ـ ۵ـ جولائی ۱۹۹۵ء کو "تعلیم اور کتب خانوں" کے شعبے میں خصوصی خدمات کی بنا پر پاکستان لائبریری ایسوسی ایشن نے اعزازی شیلڈ دی۔

۳ـ ۹ـ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو جامعہ پنجاب کی انتظامیہ کی طرف سے نمایاں خدمات پر شیلڈ پیش کی گئی۔

۴ـ ۹ـ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے سٹاف کی طرف سے شیلڈ دی گئی۔

۵ـ پاکستان لائبریری ایسوسی ایشن (پنجاب برانچ) پی ایل اے ایوارڈ ۲۰۰۲ء کے سلسلے میں (لائبریرین شپ کے شعبے میں نمایاں خدمات پر) شیلڈ پیش کی گئی۔

رِضوی صاحب اور حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

رِضوی صاحب نے اس کتاب کے "مقدمہ" میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ ان کا تعارف حکیم صاحب سے کس طرح ہوا۔ اس میں انہوں نے حکیم صاحب کے بارے میں اپنے تاثرات بھی بیان کیے ہیں۔ رِضوی صاحب پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے ذخیرۂ کتب حکیم صاحب کی فہرست سازی کے لیے ۱۰ـ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو

مطب موسوی میں آئے۔ باون روز تک فہرست سازی کا کام جاری رہا۔ ۲۴۔ دسمبر ۱۹۸۹ء کو ذخیرہ لائبریری میں منتقل ہو گیا۔ بعد کے عشرے میں بھی کتابیں ذخیرے کے لیے لائبریری میں بھجوائی جاتی رہیں۔ ان کی فہرست بنانے کا کام بھی رِضوی صاحب کرتے رہے۔ ۱۹۹۶ء سے لے کر ۲۰۰۱ء تک اس فہرست کی چار جلدیں شائع ہوئیں۔ ان کے مجموعی صفحات کی تعداد ۲۰۹۶ ہے۔ ان میں جن کتابوں کا تعارف کروایا گیا ہے، ان کی تعداد قریباً ۱۰۸۴۷ ہے۔ فہرست سازی کے اس فنی کام کو سکالرز نے بہت سراہا ہے۔ اس کی تفصیل چاروں مجلدات کے الگ الگ تعارف میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہاں پر صرف دو اقتباسات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں جن سے اس کام کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ ہو سکے گا۔

پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی صاحب، مدیر ماہنامہ ''جہانِ رضا''، لاہور اپنے ایک مضمون میں رقمطراز ہیں:۔

> '' حکیم صاحب کے ایک کتابی دوست سید جمیل احمد رِضوی، پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ لائبریری کے صدر ہیں، انہوں نے پنجاب یونیورسٹی میں '' شعبۂ حکیم محمد موسیٰ امرتسری'' قائم کیا اور حکیم صاحب کی ذاتی لائبریری منتقل کرانے، انہیں لائبریری میں سجانے، سکالرز حضرات کو اس سے استفادہ کرنے اور پھر فہرست کتب خانہ حکیم محمد موسیٰ کی کئی جلدیں مرتب کر کے انہیں چھپوانے اور وقت رحلت تک حکیم صاحب کی کتابوں کی ترسیل کو اپنی جگہ ترتیب دینے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ جناب رِضوی صاحب حکیم صاحب کی زندگی کے آخری دور کے کتابی دوست ہیں جن پر حکیم صاحب کو بڑا اعتماد تھا۔''(۲)

محترم ڈاکٹر قریشی احمد حسین قلعداری اس بارے میں لکھتے ہیں:۔

> ''جناب سید جمیل احمد رِضوری، چیف لائبریرین، پنجاب یونیورسٹی سے حکیم صاحب کے برادرانہ مراسم تھے۔ رِضوی صاحب نہایت نفیس طبع

اور قابل قدر شریف انسان ہیں۔ حکیم صاحب نے انہی کے ایماء پر اپنا سارے کا سارا کتب خانہ پنجاب یونیورسی لائبریری کو دے دیا۔ یہ جانبین پر خلوص محبت کا نتیجہ تھا کہ حکیم صاحب کا عظیم المرتبت ذخیرۂ کتب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا جس میں موجود کتابوں کی فہرست جمیل احمد رضوی صاحب کے قلم سے مرتب ہو کر کئی جلدوں میں شائع ہو رہی ہے۔"(۳)

رضوی صاحب نے حکیم صاحب کے ذخیرے اور ان کی شخصیت کے بارے میں کئی مقالات لکھے جو ان کی زندگی میں بھی شائع ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد بھی مختلف رسائل میں شائع ہوئے۔ ان میں سے چند کے حوالے ذیل میں دیے جاتے ہیں تاکہ اس موضوع پر کام کرنے والوں کو ان کی طرف رجوع کرنے میں آسانی رہے۔

ا۔ سید جمیل احمد رضوی، "ذخیرہ حکیم محمد موسی امرتسری، مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری؛ کتابوں کی کہانی، حکیم صاحب کی زبانی"، مشمولہ سہ ماہی خبرنامہ پاکستان لائبریری ایسوسی ایشن (پنجاب)، جلد۳، شمارہ۱، ۲(۱۹۹۲ء)۳۔۱۲

یہی مضمون اضافہ کے ساتھ دوبارہ ماہنامہ مہر و ماہ میں شائع ہوا۔ اس کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔ ایضاً۔ "کتابوں کی کہانی حکیم موسیٰ کی زبانی"، مشمولہ ماہنامہ مہر و ماہ، لاہور: ایک فقید المثال شیوع "یادگارِ موسیٰ" جلد ۴۷، شمارہ ۱۲۔۱ (جنوری ۔فروری ۲۰۰۰ء) ۳۷۔۴۷

۲۔ ایضاً۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے استاد گرامی"، مشمولہ ماہنامہ جہانِ رضا، لاہور: حکیم محمد موسیٰ امرتسری پر خصوصی شمارہ، جلد ۹، شمارہ ۹۰ (اکتوبر، نومبر ۲۰۰۰ء رشعبان۔ رمضان ۱۴۲۰ھ) ۲۳۲۔۲۵۱ یہ مقالہ علامہ محمد عالم آسی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۹۴۴ء) کے بارے میں ہے۔

۳۔ ایضاً، "حکیم محمد موسی امرتسری"، مشمولہ ماہنامہ کنز الایمان، لاہور، جلد ۱۰،

(شمارہ ۱۲ جنوری ۲۰۰۱ء) ۷۳-۷۶

حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے جب اپنا ذخیرۂ کتب پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو بطور عطیہ عنایت کیا، تو اس کے بعد اور متعدد ذاتی ذخائر کتب لائبریری میں تحفۃً وصول ہوئے۔ ان میں ذخیرۂ میاں محمد دین کلیم، ذخیرۂ پروفیسر عبد القیوم، ذخیرۂ پروفیسر یار محمد خان، ذخیرۂ میاں عطاء اللہ ساگر وارثی، ذخیرۂ صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی اور ذخیرۂ سید سبط الحسن ضیغم شامل ہیں۔ اس طرح پچیس ہزار سے زائد کتب لائبریری میں بطور عطیہ وصول ہوئیں۔ ان ذخیروں کی وصولی سے لائبریری کے وسائل کتب میں گراں قدر اضافہ ہوا۔ گویا عطیۂ کتب کی ایک تحریک پیدا ہوئی جس کے ثمرات واضح طور پر ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان ذاتی ذخائر کتب کی جمع آوری میں رضوی صاحب کی کوششوں کا بڑا نمایاں حصہ ہے۔ رضوی صاحب نے حکیم صاحب کے عطیۂ کتب کے بارے میں صحیح تحریر کیا تھا:-

> ''حکیم صاحب مرحوم نے اپنا ذاتی ذخیرۂ کتب پنجاب یونیورسٹی کو بطور عطیہ عنایت کر کے ایک ایسی قابل تقلید مثال قائم کی جس نے دوسرے مخیر حضرات کو ترغیب دلائی اور انہوں نے بھی اپنے ذاتی کتب خانے لائبریری کو بلا قیمت دے دیے، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ حکیم صاحب کے اس عمل سے عطیۂ کتب کی ایک ایسی تحریک نے جنم لیا جو ابھی تک جاری ہے اور کئی سکالرز اپنے ذاتی کتب خانے لائبریری کو دینے کے لیے سوچ رہے ہیں''۔ (۴)

رضوی صاحب نے حکیم صاحب کی مجالس کے بارے میں اپنی یادداشتوں کو مرتب کر کے قابل اشاعت بنایا ہے۔ اب یہ کتاب شائع کی جا رہی ہے۔ حلقۂ موسوی کے ایسے کافی ذی علم احباب موجود ہیں جن کے پاس ایسی یادداشتیں ضرور ہوں گی۔ امید ہے اس کتاب کی اشاعت سے ان کو بھی ترغیب ملے گی کہ وہ بھی ایسی

یادداشتوں کو ترتیب دے کر منظرِ عام پر لانے کا اہتمام کریں۔ اسی طرح حکیم صاحب کے خطوط بھی ان کے احباب اور متوسلین کے پاس ہوں گے۔ اگر ان کو بھی ضروری حواشی کے ساتھ مرتب کر کے شائع کر دیا جائے، تو یہ ایک بیش قیمت علمی خدمت ہو گی۔ یوں یہ علمی ورثہ محفوظ ہو جائے گا۔

نوشتہ بماند سیاہ بر سفید
نویسندہ را نیست فردا امید

تاریخ ماضی کے واقعات کے ریکارڈ کا نام ہے۔ آج کے واقعات کل تاریخ کا روپ دھار لیں گے۔ زندہ قومیں اس سے سبق حاصل کرتی ہیں اور اس کی روشنی میں مستقبل کا لائحۂ عمل مرتب کرتی ہیں۔ تاریخ کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا ہے:۔

ضبط کن تاریخ را پایندہ شو
از نفس ہائے رمیدہ زندہ شو

جس شخصیت نے اپنی زندگی بھر کا اثاثہ (ذخیرۂ کتب) قوم کے حوالے کر دیا۔ اس محسن قوم کے مشن کو جاری رکھنا ایک ایسی خدمت ہے جس کو ملک وملت کی تعمیر سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

آخر میں ہم رضوی صاحب کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے اس سلسلے میں ایک اہم خدمت اور قابل تقلید مثال قائم کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حواشی

1. Jamil Ahmad Rizvi,Syed, BIO DATA (Lahore: Syed Aqeel Ahmad Rizvi,1997),p.14.

۲۔ پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی، ''حکیم محمد موسیٰ امرتسری اپنے احباب کے حلقے میں''، مشمولہ ماہنامہ جہانِ رضا، لاہور: حکیم محمد موسیٰ امرتسری پر خصوصی نمبر، جلد۹، شمارہ ۹۰ (اکتوبر، نومبر ۲۰۰۰ء/شعبان، رمضان ۱۴۲۰ھ) ۳۲

۳۔ ڈاکٹر قریشی احمد حسین احمد قلعداری، ''ایک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا''، مشمولہ ماہنامہ جہانِ رضا، لاہور: حکیم محمد موسیٰ امرتسری پر خصوصی نمبر، جلد۹، شمارہ ۹۰ (اکتوبر، نومبر ۲۰۰۰ء/شعبان، رمضان ۱۴۲۰ھ) ۷۰

۴۔ سید جمیل احمد رضوی، فہرست ذخیرۂ کتب حکیم محمد موسیٰ امرتسری، مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری (لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۰۱ء) جلد چہارم، ص: ۱۹۔۲۰

اشاریه اشخاص

ج

ح

خ

ر

ز

س

ش

ن

و

ی

اشاریہ کتب

(بشمول رسائل)

اہل علم کی آراء

- حکیم اہل سنت نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی شخصیت کے خلاف مخالفین کی تلبیس کا پردہ چاک کیا — مفتی تقدس علی خان
- آپ صف اول کے نقاد و محقق ہیں جس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو خود اہل علم ہوں اور انہوں نے حکیم صاحب کی تحریرات کا بغور مطالعہ کیا ہو — ڈاکٹر پیر محمد حسن
- میرے نزدیک وہ ان چند فضلاء میں سے ہیں، جو پاکستان کی آبرو کہلا سکتے ہیں — ڈاکٹر وحید قریشی
- حکیم صاحب کی علم دوستی اور معارف پروری سینکڑوں نوجوانوں کو بے مقصد زندگی سے نکال کر تحقیق وتجسس اور نوشت وخواند کی علمی دنیا میں لے آئی ہے — سید محمد فاروق القادری
- وہ پیکر محبت واخلاص ہیں۔۔۔ان کو نہ ستائش کی تمنا ہے، نہ صلے کی پرواہ۔۔۔وہ کام کیے جاتے ہیں اور کام کراتے جاتے ہیں — پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
- حکیم محمد موسیٰ امرتسری تاریخ ملت اسلامیہ کا بیش قیمت سرمایہ اور اہل ایمان کی آبرو تھے — ڈاکٹر ایم۔ ایس۔ ناز
- میں نے اپنے قدیم خوابوں کو آواز دی اور حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا چہرہ نمائش گہہ اسلاف قرار دیا — خواجہ رضی حیدر
- حکیم محمد موسیٰ صاحب کی فضیلت کو اگر میں دو لفظوں میں سمیٹنا چاہوں تو ''مرجع الکل'' کہہ سکتا ہوں — علامہ محمد حسین عرشی
- حکیم صاحب کی شخصیت کتابیاتی معلومات کا ایک زندہ خزانہ ہے — امریکی سکالر آرتھر فرینک بوہلر

Arthur Frank Buehler
Harvard University
Cambridge, Massachusetts
U.S.A